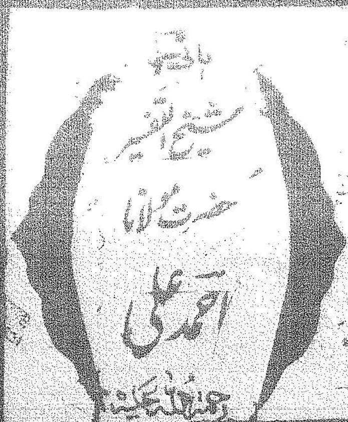
ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور
پاکستان



22/45

ظالم کا ساتھی

قَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَنْ مَشٰی مَعَ ظَالِمٍ لِیُقَوِّیَہٗ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے ظالم کے ساتھ رفاقت اختیار کی تاکہ اسے تقویت پہنچائے باوجودیکہ اسے معلوم ہو کہ میرا رفیق ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

۱۱ ربیع الثانی ۹۷ھ

یکم اپریل ۱۹۷۷ء

احادیثِ رسول

انجام پر نظر

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِيْ فَقَالَ خُذِ الْاَمْرَ بِالتَّدْبِيْرِ فَاِنْ رَاَيْتَ فِيْ عَاقِبَتِهٖ خَيْرًا فَامْضِهٖ وَاِنْ خِفْتَ غَيًّا فَاَمْسِكْ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا ہر کام کے انجام پر غور کر لیا کر۔ اگر آگے چل کر اس کا اچھا نتیجہ نکلنے کی امید ہو تو اس کام کو کر ڈال اور اگر یہ خوف ہو کہ ادھر ادھر بھٹکنا پڑے گا تو نہ کر۔

اس حدیث میں ہدایت کی گئی ہے کہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ ہو تو جلد بازی نہ کیا کرو۔ بلکہ پہلے یہ سوچو کہ اس کام کا نتیجہ کیا ہوگا۔ تدبیر کے معنی یہی ہیں کہ آدمی انجام پر نظر کرے۔ دل میں آتے ہی کسی کام کا کر بیٹھنا ٹھیک نہیں۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ کرنے سے پہلے سوچو کہ آخر اس سے حاصل کیا ہوگا اگر خود سمجھ میں کچھ نہ آئے تو پھر ان سے مشورہ کرے جو اس سے زیادہ جانتے ہیں۔ وہ اسے بتلائیں کہ یہ کام پہلے فلاں شخص نے کیا تھا اور ان حالات کے اندر کیا تھا۔ اور اس سے اسے یہ فائدہ حاصل ہوا یا یہ رنج پہنچا۔

ظاہر بات ہے کہ اگر اس شخص کے حالات بھی جو اب کام کو کرنا چاہتا ہے، اس پہلے شخص سے ملتے جلتے ہیں تو اسے بھی وہی فائدہ یا نقصان حاصل ہوگا۔ جو اس پہلے شخص کو ہوا تھا۔

قرآن مجید نے پچھلے لوگوں کے حالات اس لیے بیان کیے ہیں کہ آدمی ان کاموں سے بچے جن سے پچھلے لوگوں کو نقصان پہنچا اور اگر کچھ نفع بھی ہوا تو وہ تھوڑا سا یا عارضی ہوا۔ اس کے بعد تکلیف اور دکھ کے سوا کچھ ان کے پلے نہ پڑا۔ اس طرح سوچنے سے اور دوسرے لوگوں کے تجربوں سے سبق حاصل کرنے سے آدمی بہت سے بُرے کاموں سے بچ سکتا ہے اور بہت جلدی معلوم کر سکتا ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اسی وجہ سے اسلام میں مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ اکثر مشورہ سے باتیں ایسی معلوم ہو جاتی ہیں جو اپنے علم میں نہ تھیں۔

دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ جلد بازی میں آکر یا خواہش میں پھنس کر ایسے کام کر ڈالتے ہیں کہ جن پر بعد میں پچھتانا پڑتا ہے۔ اگر لوگ سوچنے کی اور جاننے والوں سے مشورہ کرنے کی عادت ڈال لیں۔ جیسے کہ حدیث میں بتایا گیا ہے تو بہت سی آفتوں سے بچ سکتے ہیں اور صحیح نتائج پر پہنچ سکتے ہیں۔ کام وہی بہتر ہے جس کا انجام بہتر ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

جلد نمبر ۲۲ —— شمارہ نمبر ۲۵

جاری کردہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز

مدیر مسئول

جانشین شیخ التفسیر

مولانا عبید اللہ انور

رئیس التحریر

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ

مدیر:

محمد سعید الرحمٰن علوی

ادارہ تحریر

مولانا محمد اجمل

زاہد الراشدی

بدل اشتراک

سالانہ ۔۔۔۔۔۔ ۴۰

ششماہی ۔۔۔۔۔۔ ۲۰

سہ ماہی ۔۔۔۔۔۔ ۱۰

فی پرچہ ۔۔۔۔۔۔ [illegible]

عوام کا فیصلہ

پاکستان اور ہندوستان ایک ہی دن آزاد ہوئے اور ایک ہی دن انہوں نے اپنا سفر شروع کیا۔ لیکن آج تیس سال کے عرصہ میں دونوں ملکوں کا جو نقشہ اور کیفیت ہے اسے دیکھ کر ایک پاکستانی بڑی شدت سے محسوس کرتا ہے کہ ہم "آزادی" کے بعد بھی غلامی کے دور سے کہیں زیادہ پریشان کن زندگی گذار رہے ہیں۔

پاکستان پر جو قیامتیں ٹوٹیں ان میں سے کس کس کا ذکر کیا جائے؟ ملک ٹوٹا، اخلاق و شرافت کا جنازہ نکلا، جرائم بڑھے اور جان و مال کی حفاظت کا تصور عنقا ہو گیا۔ اور وہ کچھ ہوا جس کے ذکر سے بھی گھن آتی ہے۔ قطع نظر دوسری باتوں کے آج ہم صرف اس مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جس کا تعلق انتخابات سے ہے۔ چند دن کے وقفہ کے ساتھ دونوں ممالک میں انتخابات ہوئے۔ پاکستان میں انتخاب ہوئے۔ یہاں مقابلہ پی پی پی اور پی این اے کا تھا۔ باوجودیکہ قومی اتحاد وسائل سے تہی دامن تھا اور پی پی پی کا تمام سرکاری و غیر سرکاری وسائل پر قبضہ تھا اور اس نے بڑی بددیانتی سے انہیں خرچ کیا لیکن ان ساری چیزوں کے بعد بھی عوام نے قومی اتحاد کے حق میں فیصلہ دیا۔ لیکن عوام جان چکے ہیں کہ ان کے فیصلہ کو بری طرح سبوتاژ کیا گیا اور من گھڑت و فرضی نتائج کا اعلان کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ عوام بدستور پی پی پی کے ساتھ ہیں۔ لیکن عوام نے ۱۰ مارچ کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا بائیکاٹ کر کے اور ۱۱ مارچ کو مکمل ہڑتال کر کے یہ ثابت کر دیا کہ عوام پی پی پی کے ساتھ نہیں بلکہ پی این اے کے ساتھ ہیں۔ آج جب یہ سطور لکھ رہے ہیں تو پورے ملک میں عوام نے دوبارہ ہڑتال کر کے بھٹو صاحب کے اس طعن کا عملی جواب بھی دے دیا ہے جس میں بھٹو صاحب نے

کہا تھا کہ جمعہ کی ہڑتال کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ اس دن تو کافی حد تک ویسے بھی کاروبار بند ہوتا ہے۔

اب آئیے ہندوستان کی طرف، وہاں مسز اندرا گاندھی کی حکومت تھی جو ایک ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں جس کی آزادیٔ ہند کے لیے خدمات معروف و مسلّم ہیں۔

اندرا کے دادا موتی لال نہرو اور باپ جواہر لعل نہرو تھے۔ جن سے اختلاف ممکن ہے لیکن ان کی قومی خدمات تو بہرحال ناقابل تردید ہیں۔ پھر یہ کہ اندرا گاندھی کانگریس کے نمائندہ کی حیثیت سے حکمران تھیں۔ وہی کانگریس جس کے آزادی کی خاطر کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن ان ساری چیزوں کے باوجود اندرا ہار گئیں۔ کانگریس ہار گئی اور جنتا پارٹی جیت گئی۔

کانگریس و اندرا کیوں ہاری؟ اس پر لمبے چوڑے تبصرے کی ضرورت نہیں۔ عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ جمہوریت کے معاملہ میں اس کے بعض سخت اقدام مخلف رہنماؤں کی نظربندی، عدلیہ کے اختیارات کو کم کرنا، ہنگامی حالات کا مسلسل نفاذ اور آخر میں جبری نس بندی نے یہ صورت حال پیدا کی۔

اسبابِ شکست پر بحث سے قطعِ نظر ہمیں جو عرض کرنا ہے وہ ہے انتخاب کے نتائج کو تسلیم کرنے کا مسئلہ!

یہ واضح ہے کہ اندرا بھی ہاری اور بھٹو صاحب بھی ہارے۔ لیکن اندرا نے ہارنے کے بعد کیا کیا؟ اور بھٹو نے کیا کیا؟

اس سوال کا جواب بڑا واضح ہے کہ اندرا نے ہارنے کے بعد اپنی "ہار" کو بطیبِ خاطر تسلیم کیا۔ عوام کے فیصلے کو عجز و انکساری سے مانا اور ملک و قوم کو کسی آزمائش میں ڈالے بغیر فوری طور پر کرسی چھوڑ دی اور دیکھتی آنکھوں وہاں انتقالِ اقتدار کا مسئلہ حل ہو گیا۔

لیکن یہاں بھٹو صاحب نے ہارنے کے باوجود جیتنے کا فیصلہ کیا۔ زبردستی جیت کر ملک و قوم کے لئے مسائل پیدا کئے اور ابھی تک کئے جا رہے ہیں۔

صورت حال یہ ہے کہ قوم ان دھاندلیوں کے خلاف سراپا احتجاج بن چکی ہے، پی، این، اے کے قائدین عوام کے دلوں پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ اور عوام ہیں کہ بغیر کسی حیل و حجت آگے بڑھے چلے جا رہے ہیں۔

۱۴ مارچ کو شروع ہونے والی تحریک کا آج تیرھواں دن تھا، یہ وہ دن تھا جب بھٹو نے تمام نہاد ممبروں کو اکٹھا کر کے اپنی چودھراہٹ کا ڈھونگ رچایا لیکن خیبر سے کراچی تک عوام نے ہڑتال کر کے ثابت کر دیا کہ وہ اس سے کتنے بیزار ہیں۔

شرافت و دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ بھٹو صاحب فی الفور کرسی کو چھوڑ دیں اور محض اپنی ذات کے لیے ملک و قوم کو تباہ نہ کریں۔

انہیں بلند بانگ دعوے کرنے میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ وہ اسلام کی خدمت کا بڑا تذکرہ کرتے ہیں وہ اپنے کو عوام کا خادم کہتے ہیں اور لکھتے ہیں لیکن ان کا کردار اسلام کے برعکس اور عوام کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔ ان کا یہ سوچنا کہ مفتی محمود سمیت تمام رہنماؤں کو جیل میں بند کر کے اور ہزاروں کارکنوں کو پابند سلاسل کر کے مسئلہ ختم کر دیا جائے گا ایک بھول ہے۔

بہرحال ہم ایک بار پھر انہیں کہیں گے کہ امریکہ میں صدر فورڈ اور بھارت میں اندرا گاندھی کی شکست سے اگر امریکہ اور بھارت تباہ نہیں ہوئے تو ان کی شکست سے (جو بہرحال ہیں ان کا مقدر ہے) پاکستان کا کچھ نہ بگڑے گا۔ بہتر ہے کہ وہ اندرا گاندھی کی طرح اپنی "ہار" تسلیم کر کے اپنا نام بلند کریں اور ملک کو مصائب سے نجات دلائیں ورنہ

قدرت کی بے آواز لاٹھی

کے حرکت میں آنے سے جو حشر ہوگا اس کا بیان کرنا ہمارے بس سے باہر ہے۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْد

علی
۲۶ مارچ ۷۷ء

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : علوی

امام لاہوری قدس سرہ کے عظیم المرتبت فرزند مرشد انور مدظلہم ظلم و جبر اور ناانصافی کا قلع قمع کرنے کے لئے قومی اتحاد کی تحریک میں گرفتار ہو کر کوٹ لکھپت جیل میں اہل حق کی ریت کو نبھا رہے ہیں۔ حضرت کی عدم موجودگی کے پیش نظر قومی اتحاد اور جمعیۃ علماء اسلام لاہور کے نامور رہنما مولانا حمید الرحمٰن عباسی نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جو درج ذیل ہے۔

سچا مسلمان کون ؟

بعد الحمد والصلوٰۃ :

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا ...... اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○

میرے بھائیو! اسلام صرف نماز پڑھنے کا نام نہیں، اسلام صرف روزہ رکھنے کا نام نہیں۔ اسلام صرف زکوٰۃ ادا کرنے کا نام نہیں، اسلام صرف حج بیت اللہ ادا کرنے کا نام نہیں، بلکہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب علیہ السلام کے ذریعہ کچھ عقائد، نظریات، اوامر و نواہی ہمیں عطا فرمائے ہیں انہیں مکمل طور پہ اپنانے کا نام اسلام ہے۔ اگر کوئی شخص ان اوامر و نواہی اور ان عقائد میں سے بعض اپنائے اور بعض کو ترک کر دے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان کے ستر اور کچھ شعبے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کا شعبہ، سب سے اہم رکن عقیدہ ہے یعنی لا الٰہ الا اللہ، خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ دو جہاں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ ایمان کا ادنیٰ درجہ کا شعبہ راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے۔

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام محض نماز پڑھنے، روزہ رکھنے کا نام ہے لہٰذا ہمیں اسی پہ اکتفا کرنا چاہیئے۔ لہٰذا اگر معاشرہ کو کسی سے تکلیف پہنچتی ہے اور کوئی اسے ہٹانے کے لیے جدوجہد و کوشش کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ سیاست ہے، علماء کو اس میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ ان کا کام تو مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا ہے، وظائف پڑھنا ہے۔ علماء کو ایسے کاموں میں دخل کا کیا حق ہے؟ دراصل ایسے عناصر اسلام سے بے خبر ہیں۔ اسلام سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اسلام عیسائیت کی طرح رہبانیت کا درس نہیں دیتا۔

بھائیو! ہمارا دین خانقاہی نہیں، یہ تو ایک عالمگیر نظام ہے جس میں زندگی کے ہر شعبہ کی رہنمائی موجود ہے اور ہر وہ طریقہ جس سے معاشرہ کو فائدہ پہنچتا ہو، جس سے معاشرہ کا تحفظ ہوتا ہو جس سے مال آبرو جان بچتی ہو اس کو اپنانا دین ہے، اسلام ہے۔ اگر اس کا نام دین نہ ہوتا تو صحابہ علیہم الرضوان حضور علیہ السلام کی معیت و قیادت میں بدر و احد کا میدان نہ گرم کرتے؟ ان سے پوچھو کہ غزوۂ حنین، خندق اور تبوک کیوں ہوا؟

تو دین عقائد و نظریات اور اوامر و نواہی کا نام ہے۔ بصورت دیگر وہ مسلمان نہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا شمار یہود کے بڑے علماء میں ہوتا، صوفی مزاج تھے، خدا رسیدہ تھے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ دل میں خیال آیا کہ تورات و

انجیل بھی خدا کی نازل کردہ کتابیں ہیں۔ تورات و انجیل کے احکامات پر قرآن کے ساتھ عمل کرنا چاہیے مثلاً ہفتہ کا دن جو یہود کے یہاں تعظیم کا دن تھا اس کا جمعہ کی طرح احترام کرتے۔

یہ آیت جو میں نے پڑھی اس کا شانِ نزول وہی ہیں انہی کے متعلق یہ آیت اتری ہے۔

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔"

جب حضور علیہ السلام تشریف لائے، ہدایت کا سورج طلوع ہو چکا۔ اب ان کی موجودگی میں تورات کی ضرورت نہیں، انجیل کی ضرورت نہیں۔ اب تمہیں قرآن کے ہی احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔ اب اگر کچھ انجیل کے، کچھ توریت کے، کچھ قرآن کے احکام اپناتے تو مسلمان نہیں ہو سکتے۔

مخاطب صحابی ہے اور پتہ ہے کہ صحابی کا کیا مرتبہ ہے؟ بزرگوں نے بتلایا کہ سارے ایمانداروں کے مراتب کو جمع کرو تو ایک ولی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور تمام اولیاء ایک صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام صحابی ہیں۔ جن کا یہ مرتبہ ہے۔ لیکن ارشاد ہوتا ہے کہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ کچھ ادھر کے کچھ ادھر کے احکام اپنا کر مسلمان نہیں ہو سکتے۔

مقام غور ہے کہ انجیل جو خدا کی نازل کردہ کتاب ہے۔ قرآن کے اترنے کے بعد اس پر عمل سے آدمی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ تو فرنگی کا بنایا ہوا قانون، ان کا بنایا ہوا آئین، اور تیس سال سے اس پر عمل ہو رہا ہے؟ کیا یہ مسلمانی ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ توریت پڑھ رہے ہیں حضور علیہ السلام کی نظر پڑی۔ پوچھا کیا پڑھ رہے ہو؟ جواب عرض کیا توریت؟

فرمایا۔ اگر آج صاحب توریت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی قرآن پر عمل کرتے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام آپؐ کے دورِ اقدس میں ہوتے تو انہیں آپ کا کلمہ پڑھنا پڑتا۔

تو بھائیو! قرآن کے اتر جانے کے بعد اگر صحابی اس پر پورا عمل نہ کرے، کچھ احکام دوسری کتابوں کے اپنائے تو اللہ کا حکم ہے:

"کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔"

موسیٰ علیہ السلام نبی نہ رہ سکتے، عیسیٰ علیہ السلام نبی نہ رہ سکتے اگر حضور علیہ السلام کے دور میں ہوتے۔ جب قرآن اتر چکا تو اب کوئی آئین، کوئی قانون اگرچہ کسی کا بنایا ہوا ہو اس پر جو شخص عمل کرتا ہے، قرآن کو چھوڑ دیتا ہے، ٹھکرا دیتا ہے، مسلمان نہیں رہ سکتا۔

آج تیس سال کے بعد پاکستان کے اسّی فیصد عوام نے اسلام کے حق میں فیصلہ دیا تو دیکھا کتنی مکاری و عیاری کے ساتھ اس فیصلہ کو ٹھکرایا گیا اور اس ملک کا نام ہے "اسلامی جمہوریہ پاکستان" اس کا سربراہ مملکت مسلمان ہونا ضروری ہے۔ جس کا عقیدہ قرآن کے موافق ہو، جس کا طرزِ زندگی قرآن و حدیث کے موافق ہو۔

اور جس شخص کا عقیدہ قرآن و سنت کے موافق نہ ہو وہ شخص ایک دن بھی کرسئ اقتدار پر بیٹھنے کے قابل نہیں اور جب اسّی فیصد عوام نے اسلام کے حق میں فیصلہ دیا اور تم نے اسے ٹھکرا دیا تو اب تمہارے ساتھ کیوں بات کی جائے؟ گفتگو تو اس شخص کے ساتھ کرنی چاہیے جس کے عقائد قرآن و سنت کے موافق ہوں۔ جس کا طرزِ زندگی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو۔

ہم تو تمہیں منہ لگانا بھی شرافت کے منافی سمجھتے ہیں جب تورات و انجیل پر عمل کرنے سے آدمی مسلمان نہیں رہ سکتا تو ۸۰ فیصد عوام کے اسلام کے حق میں فیصلہ کو ٹھکرانے والا کیسے مسلمان رہ سکتا ہے؟

کوئی بھی طاقت اسلام کے خلاف میدان میں آئے گی تو حرف غلط کی طرح مٹ جائے گی۔ یہ جہاد ہے۔ اسلام کے فیصلہ کو ٹھکرایا جا رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مساجد کو سیاسی اکھاڑہ نہ بنایا جائے۔ سوال یہ ہے کہ حق کی آواز یہاں کیوں نہ بلند ہو؟ یہ آواز بلند ہوگی دنیا کی کوئی طاقت اس آواز کو نہیں دبا سکتی۔ جو طاقت دبانے کی کوشش کرے گی ختم ہو جائے گی۔ ہمت ہارنے کی ضرورت

نہیں، ہمیشہ مسلمانوں نے قربانیاں دیں، تمہارا وقار اور عزت تاریخ کے صفحات پر ثابت رہے گا۔ جو قومیں قربانیاں نہیں دیتیں وہ سرخرو نہیں ہوا کرتیں۔ اور جو قوم قربانی دینا نہیں جانتی وہ ہمیشہ غلام رہتی ہے۔

آؤ نہیں بتاؤں کہ مذہب کے تحفظ کی خاطر قربانی دینے والوں کا مقام کیا ہے؟ اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے ان کا مقام کیا ہے؟

ایک ظالم بت پرست بادشاہ کے دور میں چند نوجوان تھے جو بت پرستی نہیں کرتے تھے۔ اس نے انہیں مجبور کیا انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ ان کا دستور یہ تھا کہ جو انکار کرتا اسے روئی میں لپیٹ کر جلا دیتا۔ اس نے کہا سوچ لو ورنہ میری سزا مقرر ہے۔ اس پر انہوں نے ہجرت کی۔ راستہ میں ایک چرواہا ملا جس کے ساتھ ایک کتا تھا۔ وہ چرواہا ساتھ ہو لیا اور کتا بھی جا کر ایک غار میں پناہ لی۔

تعداد میں اختلاف ہے۔ قرآن نے ذکر کیا کہ بعض کہتے ہیں وہ تین تھے اور چوتھا کتا۔ یہ ظالم کے خلاف بغاوت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان تینوں کے ساتھ چوتھا کتا ذکر کرتے ہیں۔ اور فرمایا کہ بعض لوگ پانچ کہتے ہیں تو چھٹا کتا اور بعض سات کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں آٹھواں کتا۔

تو دیکھا کہ بعض اہل اللہ ظلم کے خلاف اٹھتے ہیں تو ان کے ساتھ کتے کا بار بار ذکر ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام جب ایک وادی سے گزرے تو ایک چیونٹی نے باقی چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ سلیمان علیہ السلام کا لشکر تمہیں کچل نہ ڈالے — گویا چیونٹی اپنی قوم اور نسل کو بچانے کے لیے میدان میں آجاتی ہے تو خدا اس کے واقعہ اور الفاظ کا ذکر کرتے ہیں۔

اور دوسرا واقعہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا ہے ایک بیٹے نے دوسرے کو قتل کر ڈالا، دفن کا طریق کوے سے سیکھا، اس کوے کی سعی و کوشش کو اللہ نے وحی کے ذریعے قرآن میں شامل فرمایا۔

ان واقعات سے بہت کچھ ثابت ہوتا ہے کہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے جدوجہد کتنی ضروری ہے۔ اسی طرح آج بھی جدوجہد ہو رہی ہے۔ وہ حقوق کے تحفظ کے لیے جدوجہد کتنی ضروری ہے، اسی طرح آج بھی جدوجہد ہو رہی ہے وہ حقوق کے تحفظ کے لیے ہے، اور ہماری جدوجہد —— قومی اتحاد کی جدوجہد پرامن ہے، حکومت خود اشتعال انگیز حرکات کر کے گڑبڑ کرانا چاہتی ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ مولانا عبیداللہ انور اور دوسرے رہنماؤں کو گرفتار کر کے کچھ نہ ہوگا، یہ تحریک کچلی نہ جائے گی۔ اس کے پیچھے خدا کا ہاتھ ہے، اس کی طاقت ہے اس پر بھروسہ رکھیں۔ بھٹو کی گولیاں، لاٹھیاں اور ٹیئر گیس آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ مولانا انور حضرت لاہوریؒ کے صاحبزادے ہیں۔ جنہوں نے ہر باطل کے خلاف جدوجہد کی۔ انشاء اللہ یہ جدوجہد اب بھی جاری ہے، جاری رہےگی۔ مولانا کے جیل جانے سے یہ تحریک بند نہ ہوگی اور بڑھے گی، عوام نہیں ہوں گے تو در و دیوار تمہارا محاسبہ کریں گے۔ شرافت کا تقاضہ یہ ہے کہ اقتدار سے علیحدہ ہو جائیں ورنہ قوم خود اتارے گی۔

تو آیت کے پیش نظر آپ نے سمجھا کہ محض اتنی سی بات تھی کہ قرآن کے ساتھ چند دوسرے احکامات پر عمل ہو تو خدا نے روکا یہاں سارے اسلام کی مخالفت ہے اس لیے جرأت و بسالت سے آگے بڑھیں۔ مساجد سے تحریکیں اٹھیں اور اٹھیں گی۔ کامیابی آپ کی ہے۔

وہ مرد نہیں جو ڈر جائیں ماحول کے خونی منظر سے
اس حال میں مرنا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہو

اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت وہمت نصیب فرمائے۔ آمین!

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مومن کی علامات تین ہیں:۔

راست گوئی، ایفائے عہد اور دیانت۔

(حدیث)

مغربی تحریکات اور اسلام

—— از سید رشید احمد ارشد ایم اے لیکچرار شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی

مادی ترقی

سائنس کی ترقی اور مشینوں کی ایجاد کی بدولت مغربی اقوام نے مادی حیثیت سے بہت ترقی کی ہے۔ اور مادی ترقی کے بل بوتے پر انہوں نے اپنی تجارت و صنعت میں توسیع کر کے کمزور قوموں پر اپنا تسلط جما رکھا ہے۔ بلکہ اسی مادی ترقی کی بدولت انہوں نے مشرقی ممالک کو غلام بنایا اور اپنی استعماری طاقت کو بڑھاتے چلے گئے۔ چنانچہ برطانیہ فرانس، جرمنی اور اٹلی کی مثال سب کے سامنے ہے۔ موجودہ زمانے میں امریکہ اور روس اپنی مادی طاقت کی بدولت تمام اقوام عالم پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور انہیں اپنا زیر اثر بنا رکھا ہے

مادہ پرستی

ان ممالک کی مادی ترقی اور ان کے سیاسی اور اقتصادی غلبہ و استحصال سے عام افراد نے یہ سمجھا کہ مادی ترقی ہی سب کچھ ہے اور یہ مغربی اقوام کی مذہب سے لاتعلقی کا نتیجہ ہے اور اس کی بدولت روحانیت پسند مشرقی اقوام نے بھی مادہ پرستی شروع کر دی۔ مذہبی اصولوں کو پس پشت ڈال دیا۔ عوام کے دلوں سے مذہب کی عظمت اُٹھ گئی اور خواص کی بڑی تعداد مذہب سے لاتعلق ہوگئی۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض برسر آوردہ افراد کھلم کھلا مذہب کے مخالف ہو گئے جو لوگ مذہب کے مخالف نہ ہوئے وہ مذہب سے بے تعلق ہو گئے اور ان کی عملی زندگی پر مذہب اور اس کے اصولوں کا کوئی اثر نہ رہا۔

مغرب کی اکثر مادہ پرست قوموں کا مذہب عیسائیت ہے اگرچہ یہ مذہب ان ممالک میں عملی حیثیت سے مردہ ہو چکا ہے۔ لیکن مغربی رہنماؤں نے اس مذہب اور اس کے کلیساؤں کو اس لئے باقی رکھا ہے کہ ان کی دانست میں مذہب کے ذریعے ہی مختلف عیسائی قوموں کو متحد رکھا جا سکتا ہے اور عوام کو مذہبی آلۂ کار بنایا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ صلیبی جنگوں اور بعد میں ترکوں کے خلاف مختلف جنگوں میں عیسائیت کے نام پر یورپ کی اقوام کو متحد کیا گیا تھا۔

تحریک وطنیت

رفتہ رفتہ جب عیسائی مذہب اپنی افادی حیثیت کھوتا گیا تو مغربی مفکروں کو یہ ضرورت لاحق ہوئی کہ وہ مذہب کا کوئی نعم البدل تلاش کریں اور ملک و قوم کے تمام افراد کو رشتۂ اتحاد میں منسلک کریں۔ آخر کار بہت غور و خوض کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ عوام کے وطنی اور قومی تعصب سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس لئے مذہب کے مقابلہ میں انہوں نے وطنیت اور قومیت کا نظریہ ایجاد کیا۔ تاکہ جنگی اور ہنگامی صورتوں میں قومی اور وطنی جذبات کو ابھار کر دشمن کا مقابلہ کیا جا سکے۔ یہ صحیح ہے کہ حب الوطنی قدیم زمانہ سے زندہ قوموں کا شعار رہی ہے اور ہر قوم کے ضابطہ اخلاق میں اسے ایک مناسب جگہ دی گئی ہے۔ مگر وطنیت اور قومیت کے جدید سیاسی نظریہ میں اس کے دائرہ کو تنگ کر کے اسے اس قدر محدود کر دیا گیا ہے۔ کہ عالمگیر انسانیت اور اخوت کا جذبہ اس تنگ دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب میں اسی تنگ نظرانہ وطنیت اور قومیت کی بدولت گذشتہ زمانہ میں دو عالمگیر جنگیں برپا ہوئیں۔ جنہوں نے مہذب دنیا کو تباہ و برباد کر دیا۔

وطنیت کے مضرات

علامہ اقبال نے بہت پہلے اس وطنیت کے مضر اثرات کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے نصف صدی پیشتر "وطنیت ایک سیاسی تصور کی حیثیت سے" کے عنوان سے ایک نظم لکھی تھی۔ جس میں اسلامی نقطہ نگاہ سے اس کے مضر اثرات کو اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدہ، تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانہ، دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارہ، دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے
ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی
ہے ترک وطن سنت محبوب الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اسی سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اسی سے

ممکن ہے ابتدا میں وطنیت اور قومیت کا تصور یورپ اور امریکہ کے لئے ایک حد تک مفید ثابت ہوا ہو کیونکہ ان کے ہاں مذہبی تصورات مفقود ہونے کے بعد صرف یہی ایک رشتہ، اتحاد باقی رہ گیا تھا۔ لہٰذا مغربی رہنماؤں اور مفکروں نے حب الوطنی کے جذبات کو بھڑکا کر عوام کو اپنی ملکی ترقی کی طرف آمادہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ اندرونی ترقی میں یہ جذبہ کار آمد ثابت ہوا تو انہوں نے اسے استعماری مقاصد کے لئے استعمال کیا اور کمزور قوموں پر اپنا تسلط جمایا اور انہیں تباہ و برباد کیا۔ اس طرح انہوں نے وطنیت کے تخریبی اور مضر پہلو کے اثرات دنیا پر ظاہر کر دیئے۔

قومی تعصب

مغربی ممالک میں وطنیت اور قومیت کے نظریات کی اس قدر اشاعت ہوئی کہ مسلم ممالک میں بھی اس کی صدائے بازگشت گونجنے لگی۔ لہٰذا مغربی سیاست دانوں نے پہلی جنگ عظیم میں وطنیت کے سیاسی حربے کو مشرقی ممالک میں بھی استعمال کیا اور عربوں اور ترکوں کے درمیان وطنی اور قومی تعصب پیدا کر کے انہیں آپس میں لڑوایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں مسلم قومیں تباہ و برباد ہوگئیں۔ ایک طرف ترکوں سے ان کا وسیع علاقہ چھن گیا اور دوسری طرف عرب قومیں اپنی آزادی کھو بیٹھیں اور خود مغربی اقوام کی غلام بن گئیں۔ ترک و عرب کی اس "فریب خوردگی"، سے متاثر ہو کر علامہ اقبال مرحوم اپنی مشہور اردو نظم میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

آگے چل کر مغربی وطنیت کے مقابلے میں علامہ اقبال اسلامی اتحاد کی اس طرح تلقین فرماتے ہیں

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و ملت ہے فقط حرم کا اک ثمر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

مذہب اور قومیت

اس کھلم کھلا تباہی کے باوجود مسلم قوموں میں بھی

رضا شاہ پہلوی اور مصطفیٰ کمال پاشا کے زیر اثر قومیت اور وطنیت کے جذبات نشو و نما پاتے رہے۔ ان ممالک کے مقامی حالات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ ان ممالک کے رہنما قومیت کے گہرے مضر اثرات کو محسوس کئے بغیر یہ سمجھنے لگے تھے کہ ملکی ترقی کی راہ میں مذہب اور اس کے قدامت پسندانہ خیالات حائل رہے ہیں۔ کہ وہ مذہب کے ساتھ قومیت کے جذبے سے سرشار ہے۔ لہذا ان مسلم رہنماؤں کو یقین ہوگیا کہ ان کے ممالک انہی کے نقشِ قدم پر چل کر ترقی کر سکتے ہیں۔ ان خیالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم ممالک قومیت اور وطنیت کے شیدائی ہو گئے اور وہ مذہبی قیود اور حدود کو توڑنے لگے۔ اور ان کی ہمدردیاں صرف اپنے ملک کی جغرافیائی حدود تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ دیگر اسلامی ممالک سے انہوں نے اپنا رشتہ توڑ لیا۔

چونکہ مسلم سیاستدان مغربی اقوام کی ترقی کو ان کے قومی جذبہ کا نتیجہ سمجھنے لگے تھے۔ اس لئے ہندو پاکستان کے اسلامی مفکر علامہ اقبال نے اس غلط فہمی کا اس طرح ازالہ کیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

علامہ اقبال کے اس مشورے پر اسلامی ممالک کے رہنماؤں نے عمل نہ کیا اور وہ بدستور مغربی قومیت کے تصور کو عملی جامہ پہناتے رہے۔ البتہ برِصغیر ہندو پاکستان میں ان کے خیالات کی نشر و اشاعت ہوئی اور یہاں کے بعض مسلم رہنماؤں نے اس نظریہ کی بنیاد پر تحریکِ پاکستان کا آغاز کیا۔ یہاں تک کہ ان کی جدوجہد کامیاب ہوئی تحریکِ پاکستان مسلم قومیت کے نظریے کی بدولت حقیقت میں تبدیل ہوگئی۔

کمیونزم

صنعتی انقلاب کی بدولت مغربی قومیت اور وطنیت کے تصورات کے ساتھ ساتھ، اشتراکیت اور اشتمالیت (کمیونزم) کے نظریات بھی پروان چڑھتے رہے کیونکہ بڑے بڑے ملوں اور کارخانوں کے قائم ہو جانے کے بعد جب سرمایہ داروں اور مزدوروں کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو اس موقع پر ایک مغربی مفکر کارل مارکس نے اشتراکیت اور اشتمالیت کا ایک غیر مذہبی نظریۂ حیات پیش کیا جس میں مزدوروں اور محنت کش عوام کو سرمایہ داروں پر فوقیت دی گئی تھی اور سرمایہ داری پر کاری ضرب لگائی گئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس جدید نظریۂ حیات میں خدا کے تصور سے بھی انکار کیا گیا تھا۔ اور مذہب کو گذشتہ اور موجودہ خرابیوں کی بنیاد قرار دیا گیا تھا۔

کارل مارکس نے اپنے نظریات پر مشتمل ایک کتاب بھی لکھی تھی اور مغرب میں وہ سب سے پہلا ملحد انسان تھا۔ جس نے الہامی کتب کے مقابلہ میں دنیا کے سامنے باقاعدہ طور پر ملحدانہ نظریۂ حیات پیش کیا تھا۔ اس کی کتاب کو کمیونسٹوں کے نزدیک مقدس کتاب کی حیثیت حاصل ہوگئی اور اس کے ملحدانہ نظریات مذہبی عقائد کی طرح اس کے متبعین کے لئے اجزائے ایمانی بن گئے۔

کارل مارکس کے نظریات کی عملی نشو و نما روس میں ہوئی جہاں عیسائیت کے نظریات دم توڑ رہے تھے۔ اس لئے روس کی سرزمین اشتمالی نظریات کے لئے بڑی زرخیز ثابت ہوئی وہاں کے مظلوم اور محنت کش عوام نے کمیونسٹ رہنماؤں کی سرکردگی میں سیاسی انقلاب برپا کیا اور روس کے تمام وسیع علاقوں کو کمیونسٹ نظام کے تابع بنا لیا۔ یہ انقلاب ایک خونی انقلاب تھا، جو اخلاقی اصولوں کی بدولت رونما نہیں ہوا، بلکہ تشدد کے ذریعہ عمل میں لایا گیا تھا۔ اس کے انقلابی لیڈروں نے عوام کے لئے خوش آئند وعدے کئے تھے اس لئے روس اور دیگر ممالک کے عوام نے اس غیر مذہبی نظریۂ کو جوش و خروش اور سرگرمی کے ساتھ قبول کیا۔

کمیونزم کے مضر اثرات

اشتراکیت اور اشتمالیت بھی مادہ پرستی کی انتہائی شکل ہے۔ اس میں روحانیت اور اخلاق کا کوئی عنصر بھی شامل نہیں ہے بلکہ مذہب اور کلیسا کی سختی کے ساتھ مخالفت کی گئی ہے چونکہ اس کی بنیاد سرمایہ داروں کی مخالفت پر قائم ہے۔ اس لئے اس کے نظریات کا بھوکے عوام میں بہت سرگرمی کے ساتھ خیر مقدم کیا جا رہا ہے اور چونکہ لوگوں کے پاس کوئی اور متوازی نظریۂ حیات موجود نہیں ہے۔ اور وہ مذہب سے بے تعلق ہوتے جا رہے ہیں، اس لئے کمیونزم

دنیا میں بتدریج پھیلتا جا رہا ہے اور مناسب ترمیموں کے ساتھ اسے ممکن العمل بنانے کی کوشش بھی ہو رہی ہے۔ اس کی روز افزوں مقبولیت کے باوجود اشتمالیت اور اشتراکیت دنیا کی سماجی اور روحانی بیماریوں کا علاج نہیں کر سکی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مختلف مفکرین عالم نے تہذیب جدید کی بیماریوں کے علاج کے لئے جس قدر غیر مذہبی جدید نظریات پیش کئے ہیں وہ سب ناکام ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اب مغرب کے بڑے بڑے مفکرین بھی اپنی تمام تدابیر کی ناکامی کا اعتراف کر رہے ہیں اور الہامی مذہب کی اہمیت پر زور دے رہے ہیں۔

ٹائن بی کا نظریہ

اس سلسلہ میں تاریخ انسانی کے مشہور مؤرخ پروفیسر آرنلڈ جے ٹائن بی نے اپنے ایک مضمون بعنوان "موجودہ انسان کو تاریخ کی تنبیہ" میں تہذیب حاضر کی ناکامی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"عصر جدید کے انسان کا حال اس ہارے ہوئے جواری کی طرح ہے جس نے (فتح حاصل کرنے کے لئے) اپنے تمام داؤ پیچ قمار بازی میں لگا دیئے ہوں۔ یہاں تک کہ تمام مال و دولت اور اپنی زندگی کی بھی بازی لگا دی ہو۔ تاکہ وہ کامیابی حاصل کر سکے۔ مگر اس کے باوجود اسے اپنی ان تدابیر (کے کامیاب ہونے) پر بھروسہ اور اعتماد نہیں ہے۔ تاریخ عالم کے مکمل مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ دنیاوی کامیابی انجام کار سب سے بڑی ناکامی کا سبب بنتی ہے بلکہ اور قوموں کی تہذیب و تمدن کو صرف اسی وقت صحیح اور مکمل کہا جا سکتا ہے، جب تک اس میں تحقیق کی صلاحیت باقی رہتی ہے۔

صنعتی انقلاب کے دور میں سائنس کی ترقی نے اس زمانے کے حالات کے مطابق بہت بڑا تخلیقی کارنامہ انجام دیا ہے، اور اپنے زمانے کے تقاضوں اور ضرورت کی تکمیل کی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جو مسائل ہمیں درپیش ہیں کیا سائنس کی تجربہ گاہوں کے ذریعے ان کا حل کیا جا سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ کیونکہ ہمارے موجودہ مسائل اخلاقی نوعیت کے ہیں۔ جنہیں سائنس حل نہیں کر سکتی۔ بلکہ دیگر مادی تدابیر سے بھی انہیں حل کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ اور خدا کے تصور کے بغیر سماجی امراض کا علاج کرنے کے نقصانات ہم پر اچھی طرح واضح ہو چکے ہیں۔ اس لئے دور حاضر کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے انسانوں میں ایک مافوق الفطرت ہستی (خدائے بزرگ و برتر) پر ایمان لانے کے جذبہ کو دوبارہ زندہ کیا جائے"

مغرب کے اس عظیم ترین مؤرخ و مفکر کے مذکورہ بالا خیالات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر مذہبی نظریات اور مذہبی تحریکیں جو موجودہ دور کے سماجی، اقتصادی اور سیاسی علوم کے نامکمل اصولوں پر مبنی ہیں۔ قطعی طور پر ناکام ہو چکی ہیں اور مستقبل میں ان سماجی علوم اور سیاست و اقتصادیات کے ماہرین سچے مذہب سے الگ رہ کر جو اصلاحی تدابیر پیش کریں گے۔ وہ سب ناکام ثابت ہوں گے۔

کھوکھلی تہذیب

جس طرح روح کے بغیر جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح مذہب حق کی صحیح روح کو سمجھے بغیر عالمی اصلاح کی تدابیر بیکار رہیں گی۔ چونکہ مغربی تمدن خود کھوکھلا ہو چکا ہے۔ اور اس کے تمام بنیادیں کمزور ہو گئی ہیں۔ اس لئے اس کی بنیادوں پر کوئی مستحکم عمارت قائم نہیں ہو سکے گی۔ بقول اقبال

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا

علامہ اقبال نے ایک دوسرے شعر میں مسلم قوموں کو متنبہ کیا ہے کہ وہ تباہ ہونے والے مغربی تمدن کی تقلید نہ کریں، اور اسے اعلیٰ نمونہ اور مطمع نظر تسلیم نہ کریں۔ وہ فرماتے ہیں۔

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
وہ فرنگی مدنیت کہ جو خود ہے لب گور

لیکن دقت یہ پیش آرہی ہے کہ موجودہ دور میں ہر قسم کی قیادت مغرب اور اس کے دانشوروں کو حاصل ہے۔ اور انہی کے خیالات تمام دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مگر فکر و علم کے یہ مغربی مفکرین اسلام سے جو دنیا کا واحد سچا اور عالمگیر مذہب ہے۔ بالکل ہی ناآشنا ہیں۔ اگر ان میں سے کچھ لوگ واقف بھی ہیں۔ تو ان کی واقفیت ان مستشرقین کی معلومات پر مبنی ہے، جنہوں نے اسلام کی بھیانک اور مسخ شدہ تصویر ان کے سامنے رکھی ہے۔ لہٰذا وہ اسلام کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کرتے ہیں کہ اس میں ان کی تمام روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔

ان کے خیال میں جملہ مذاہب کی طرح اسلام بھی عقل کا دشمن ہے۔ اس لئے ان کے دل و دماغ ہر اس چیز کو جو مذہب کے

تمام سے پیش کی جائے۔ قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی معقول اور عمدہ ہو۔ حالانکہ مذکورہ بالا مادی سیاسی اور اقتصادی تحریکات کے خلاف اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ گذشتہ زمانے میں اس نے عالم انسانیت کو اس کے صحیح مقام تک پہنچایا اور اب بھی اس کا تصورِ حیات دائمی اور اٹل ہے۔ کیونکہ اس نے انسان کے لئے ایک صحیح نصب العین تعین کیا ہے۔ اور اس کی رہنمائی کے لئے اس کی زندگی کے ہر شعبے میں چند معتدل بنیادی اصول مقرر کئے ہیں۔ تاکہ وہ غلط راستے کی طرف بھٹکنے نہ پائے۔

متضاد فطرت انسانی

سب سے پہلے اسلام نے انسانی زندگی کی صحیح قدریں متعین کی ہیں۔ گذشتہ قوموں کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ بعض اوقات انسان اپنی ذات پر اس قدر گھمنڈ کرنے لگ جاتا ہے۔ کہ وہ خدا کا بھی منکر ہو جاتا ہے اور اس کے احکام سے سرکشی اور نافرمانی کا ارتکاب کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ اس قدر مغرور ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو خدا سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ اپنی طاقت اور قوت کے گھمنڈ کے نتیجہ میں کرتا ہے۔ اور اس کا احساس برتری بڑھتا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف جب وہ سخت مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ تو اس میں بتدریج احساس کمتری کے جذبات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اس قدر عاجز و درماندہ خیال کرتا ہے۔ کہ وہ مجبور محض ہے اور خود کچھ نہیں کر سکتا۔ لہذا وہ ہر چھوٹی بڑی چیز سے مدد کا طالب ہوتا ہے۔ وہ انہیں پوجنے لگتا ہے۔ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز سے مدد کا طالب ہوتا ہے۔ وہ انہیں پوجنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ پتھروں اور درختوں کی پرستش کر دیتا ہے۔

ان حالات میں انسان کو سیدھے راستے پر لانے کے لئے اسباب کی ضرورت تھی کہ اسے اس کے صحیح مقام سے آگاہ کیا جائے اور اسے سمجھایا جائے۔ کہ وہ نہ تو بالکل درماندہ عاجز اور مجبور محض ہے اور نہ وہ اس قدر اعلیٰ اور برتر ہے کہ وہ خدا اور اس کے قوانین فطرت سے بغاوت کرنے لگ جائے۔ انسان کو اس کے صحیح مقام سے روشناس کرانے کے لئے قرآن کریم میں جا بجا انسانی پیدائش اور اس کی زندگی کے مختلف مراحل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہایت حقیر اجزاء سے پیدا کیا ہے۔ پہلے وہ رحم مادر میں گوشت کا لوتھڑا بنا۔ پھر خدا نے اس میں جان ڈالی اور ظاہری حواس پیدا کئے۔ اس کے بعد جب انسان دنیا میں پیدا ہوا تو وہ ایک بہت کمزور بچہ کی حالت میں نمودار ہوا۔ جو نہ بول سکتا تھا اور نہ چل پھر سکتا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے رفتہ رفتہ طاقت بہم پہنچائی یہاں تک کہ وہ عالم شباب میں پہنچ گیا اور شباب کے زمانے میں اس میں مکمل طاقت و توانائی آئی۔ اس کے بعد جوں جوں اس کی عمر گذرتی گئی، اسی قدر اس کی طاقت کمزور ہوتی گئی۔ تا آنکہ انسان بوڑھا ہو کر اپنی طاقت و توانائی کو کھوتا گیا۔ اور اپنے ابتدائی زمانے کی طرف لوٹ گیا اور ایک کمزور بچے کی طرح ناتوان اور بے بس ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی شمع حیات گل ہو گئی اور وہ اس طرح معدوم ہو گیا جس طرح وہ پیدائش سے پہلے تھا۔

حقیقت شناسی

قرآن کریم کا مقصد ان مختلف حالات اور مراحلِ زندگی کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ وہ انسان کو اسی کی اصل حقیقت سے روشناس کرائے۔ تاکہ خود شناسی اور خود آگاہی کے بعد وہ خدا شناسی کی طرف متوجہ ہو جائے اور وہ سمجھ لے کہ اس کو پیدا کرنے والا اور پھر اس کو فنا کرنے والا صرف خدائے لم یزل ہے۔ جو تمام توانائیوں اور اختیارات کا سرچشمہ ہے۔ اس طرح وہ خدا کے وجود اور اس کی ہستی کا دل سے معترف ہو گا۔

وجود باری تعالیٰ کا معترف ہونے کے ساتھ ساتھ جب انسان مذکورہ بالا حقائق پر غور کرے اور اپنے آغاز انجام کو پیش نظر رکھے گا۔ تو وہ آپے سے باہر نہیں ہو گا اور اپنی طاقت پر بے جا گھمنڈ نہیں کرے گا۔ اس وقت وہ قوانین قدرت سے روگردانی اختیار نہیں کرے گا۔ بلکہ اپنی زندگی کو خدائی احکام و قوانین کے تابع بنائے گا۔ جو اس کا صحیح مقصد زندگی ہے۔

مذکورہ بالا آیات کے خلاصے میں انسانی زندگی کی ناپائیداری اور اس کی بے بسی کا اظہار کیا گیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا دوسرا روشن رُخ بھی پیش کیا ہے چنانچہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

"درحقیقت ہم نے فرزندان آدم کو عزت بخشی ہے اور ان کو خشکی اور تری میں سواریاں دیں ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا فرمایا۔ اور ہم نے بہت سی ایسی چیزوں پر جو ہم نے پیدا کی ہیں

انہیں ایک طرح فضیلت عطا کی ہے۔ (بنی اسرائیل)

اے انسان) کیا تم نے یہ نہیں دیکھا ہے۔ کہ اللہ نے ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں تمہارے تابع بنادیا ہے۔

(سورۃ الحج)

دیگر آیات میں بھی بار بار انسان کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ وہ تمام کائنات کے مالک ہیں۔ لہٰذا وہ ان تمام چیزوں سے حسب منشا کام لے سکتا ہے۔

انسان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوسکتی ہے کہ۔ اللہ تعالٰے نے حضرت آدم اور ان کے فرزند کو اپنا خلیفہ اور نائب بنایا۔ اس طرح نہ صرف تمام دوسری مخلوقات سے اسے افضل بنایا گیا بلکہ اپنے مقرب فرشتوں میں بھی انہیں فضیلت عطا فرمائی اور فرشتوں سے بھی حضرت آدمؑ کے لئے سجدہ کرایا گیا۔ جس کی تفصیل پہلے پارہ میں سورہ بقرکے چوتھے رکوع میں مذکور ہے۔

خلافت الٰہیہ کی اہمیت

انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بناکر اس پر بہت سی ذمہ داریاں عاید کی گئی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے۔ کہ وہ خدائی قوانین پر عمل کرے بلکہ دوسروں کو بھی ان احکام پر عمل کرائے۔ چونکہ اسے منصب خلافت حاصل ہے اس لئے اپنے مساوی یا ماتحتوں کے آگے جھکنا یا ان کی عبادت کرنا اس کے لئے باعث ذلت ہے۔ اسے خدائے واحد کے آگے جھکنا چاہیئے اور اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔

منصب خلافت کا نظریۂ اسلامی نظریۂ حیات کی بنیاد ہے۔ اسی کے ذریعہ توحید ورسالت اور روز قیامت کے بنیادی عقائد ثابت ہوتے ہیں۔ جن کے اثرات انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی خوشگوار بناتے ہیں۔ انسان کی انفرادی زندگی پر اس کا خوشگوار اثر اسی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ کہ خلافت الٰہی کا تصور کرتے ہوئے انسان ایک عظیم ذمہ داری کا احساس کرتا ہے اور من مانی کارروائی نہیں کرتا بلکہ ہر کام میں خداوند تعالٰے کی رضا مندی کو ملحوظ رکھتا ہے اور فرض شناسی و ذمہ داری کا یہ احساس اس میں وہ جذبہ پیدا کرتا ہے۔ جسے اسلام میں تقویٰ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایسا شخص اگر کسی کام میں برائی یا گناہ کا کوئی شائبہ محسوس کرتا ہے۔ تو وہ اس سے قطعی طور پر پرہیز کرتا ہے۔ لہٰذا اگر تمام دنیا کے انسان اس قسم کی ذمہ داری محسوس کرنے لگ جائیں۔ تو اس عالم خاکی میں کبھی جھگڑا اور فساد نہ ہو اور تمام افراد امن و امان کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کریں اسلامی تصوّرِ حیات کی بدولت ہی خود غرضی اور نفس پرستی کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں کوئی انسان اپنے مفاد کے لئے کام نہیں کرے گا۔ جس سے وہ خداوند تعالیٰ خوشنودی حاصل کرسکے۔

اسلام نظریۂ حیات، اجتماعی حیثیت سے بھی مفید ہے کیونکہ یہ معاشرہ اور قوموں کی زندگی میں انقلاب برپا کرسکتا ہے۔ اس نظریہ کی رو سے، انسان تمام مخلوقات کو خدا کی رعایا سمجھتا ہے۔ اور کسی طبقہ، قوم یا نسل کو دوسرے طبقوں یا قوموں پر برتری اور فوقیت نہیں دیتا ہے بلکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے ہر ملک کے باشندے فرزندانِ آدم ہیں۔ اور گورے کو کالے پر، امیر کو غریب پر کوئی نسلی برتری حاصل نہیں ہے۔ اسلامی معاشرہ میں قومی، نسلی اور طبقاتی امتیازات نہیں ہیں۔ اسلام کسی مخصوص نسل یا طبقہ کی برتری اور حکومت کا قائل نہیں ہے۔ اسلام میں اگر کسی چیز کو فوقیت حاصل ہے تو وہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ جب کہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ۔

اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ گناہوں سے بچتا ہو۔ (الحجرات)

اندریں حالات اسلامی نظریۂ حیات، بادشاہی، جاگیرداری پاپائیت اور آمریت کا خاتمہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ رنگ ونسل کے تعصبات اور قبائلی، قومی اور وطنی اختلافات کا بھی خاتمہ کرتا ہے۔

عالمگیر برادری

ان اختلافات کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں نے خودغرضی اور اپنے ذاتی مفاد کی خاطر عالم انسانیت کو مختلف گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم کردیا ہے۔ ہر گروہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہے مگر جب ایک خدا کا قانون تسلیم کرلیا جائے تو اس وقت ایسی مستحکم عالمگیر برادری قائم ہوسکتی ہے جو تمام اختلافات کو دور کرکے دنیا میں امن و امان قائم کرسکتی ہے۔ اس عالمگیر برادری میں صرف خدا کو حاکم حقیقی تسلیم کیا جاتا ہے۔ چونکہ انسان اس کا خلیفہ اور نائب ہے اس لئے اسلامی مملکت کے راعی اور رعایا

دونوں خلوص اور ایمانداری کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ اس طرح تمام مملکت کے انتظامی امور نہایت خوش اسلوبی اور ایمانداری کے ساتھ انجام پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً سرکاری محصول ادا کرنے والا یہ سمجھ کر محصول ادا کرتا ہے۔ کہ وہ خدا کو اس کی خوشنودی کی خاطر محصول ادا کر رہا ہے۔ اسی محصول کو وصول کرنے والے اور اس کو خرچ کرنے والے یہ سمجھ کر کام کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جو سرکاری مال وصول کیا ہے وہ خدا کا مال ہے اور وہ اس کے امین ہیں۔ ایسی صورت میں تمام قومی اجتماعی اور سرکاری کام خلوص اور ایمانداری کے ساتھ ادا کئے جائیں گے۔ اور خود غرضی اور بے ایمانی کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

اسلام نے انسانی حیثیت کا تعین کرنے کے بعد اس کا نصب العین بھی مقرر کر دیا ہے۔ نصب العین متعین ہونے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی بے مقصد اور لایعنی نہیں رہتی۔ بلکہ جب کوئی مقصد اور نصب العین متعین ہو جاتا ہے تو ہر انسان اپنی تمام کوششیں اور وسائل و ذرائع اسی مقصد اور نصب العین کی تکمیل میں صرف کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی قوت عمل کے ذریعہ حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیتا ہے۔

مفید اثرات

قرآن مجید میں انسان کا نصب العین رضائے الٰہی مقرر کیا گیا ہے۔ اس نصب العین کی بدولت انسانی زندگی فطری قوانین کے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تمام کائنات خدا کے تابع ہے اور اس کا نظام اسی کے فطری قوانین پر قائم ہے۔ لہٰذا فطری قوانین پر عمل کرنے سے نظام عالم متوازی اور متناسب رہتا ہے

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عمدہ نصب العین متعین ہو جانے کی وجہ سے انسانی زندگی میں یکسوئی اور یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ انتشار اور پریشان خیالی سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے بعد انسان کی قوت عمل مفید کاموں میں صرف ہوتی ہے۔

اسلامی نصب العین کا مزید فائدہ یہ ہے۔ کہ اگر تمام افراد انسانی اسی متحدہ نصب العین کے مطابق کام کریں تو سب کے مقاصد میں ایسا اتحاد اور اشتراک عمل پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ اس کے بعد اختلاف اور نااتفاقی کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔ آجکل مادیت پرست دنیا نے انسان کا سکون و اطمینان چھین لیا ہے۔ ارباب دولت و ثروت بھی سکون قلب سے محروم ہیں۔ اہل مغرب بھی مادی ترقی حاصل کرنے کے باوجود پریشان اور مضطرب ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے اعلیٰ نصب العین نہیں ہے۔ وہ خدا کے وجود کے منکر ہیں۔ اس لئے وہ رضاء الٰہی کی تلاش کیسے کر سکتے ہیں۔ جب انہیں دل کا چین اور سکون میسر نہ ہو تو مال و دولت ان کے لئے بیکار ہے۔

ان کے برخلاف جو لوگ اسلامی نصب العین پر ایمان رکھتے ہیں وہ مفلس اور غریب ہونے کے باوجود مطمئن اور خوش و خرم ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کے احکام و قوانین پر عمل کر کے اس کی رضا مندی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر وقت خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں اور یہی ذکر الٰہی قلبی سکون کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ جیساکہ خداوند تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔

"الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" (سورۃ رعد)

"آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے"

خوشحالی و حکمرانی

سکون قلب کے بعد انسان کے نزدیک دوسری پسندیدہ چیز خوشحالی اور حکمرانی ہے۔ یہ دونوں چیزیں بھی اسلامی نصب العین کے مطابق عمل کرنے سے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو حاصل ہوگئی تھیں۔ موجودہ زمانے کے مسلمان بھی خوشحالی اور حکمرانی کے بام ترقی تک پہنچ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ بھی مکمل طریقہ سے اسلامی نصب العین کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ حق تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر مسلمان اللہ اور اس کے رسول مقبول کے ساتھ دوستی رکھیں گے۔ تو ان کا گروہ ہمیشہ غالب رہے گا۔ جیساکہ ارشاد ربانی سے ظاہر ہے۔

"جو کوئی اللہ۔ اس کے رسول اور مومنوں کا دوست بن گیا تو اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔" (مائدہ)

اسلامی نصب العین محض نظریاتی اور غیر عملی اصولوں پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا عملی ثبوت عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے دور میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اور اس کے نتائج تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام مادیت اور روحانیت دونوں چیزوں کو اعتدال میں لا کر انسان کو اعلیٰ منزل مقصود کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے برخلاف مغرب کی موجودہ غیر مذہبی تحریکیں اور نئے نئے نظریات انسان کو پستی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

آفتاب نبوت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خصائص میں

حضرت حکیم الامت شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ

مرسلہ ابوالمظفر ظفر احمد قادری واہگہ (لاہور)

۱۔ سب سے پہلے آپؐ کے نور کا پیدا ہونا۔ ۲۔ سب سے پہلے آپؐ کو نبوت ملنا۔ ۳۔ یوم میثاق میں سب سے پہلے الست بربکم کے جواب میں آپؐ کا بلیٰ فرمانا۔ آپؐ کا نام مبارک عرش پر لکھا جانا ۵۔ خلق عالم سے آپؐ کا مقصود ہونا۔ ۶۔ پہلی سب کتابوں میں آپؐ کی بشارت فضیلت ہونا، ۷۔ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ کو آپؐ کے برکات حاصل ہونا۔ ۸۔ مہر نبوت کا دونوں شانوں کے درمیان ہونا ۹۔ معراج اور اس کے عجائب ملکوت جنت و نار پر مطلع ہونا، ۱۰۔ حق تعالےٰ کو دیکھنا، ۱۱۔ کہانت کا منقطع ہونا، ۱۲۔ اذان اقامت میں نام مبارک ہونا، ۱۳۔ ایسی کتاب قرآن پاک عطا ہونا جو ہر طرح سے معجزہ ہے لفظاً بھی اور معناً بھی۔ ۱۴۔ تغیر سے محفوظ رہے ہیں اور یاد ہوتے ہیں، ۱۵۔ آپؐ اور آپؐ کی اولاد [illegible] صدقہ کا حرام ہونا، ۱۶۔ نیند سے وضو کا واجب نہ ہونا۔ ۱۷۔ [illegible] مطہرات [illegible] امت پر ہمیشہ کے لیے حرام ہونا، ۱۸۔ [illegible] صاحبزادی سے بھی نسب اولاد کا ثابت ہونا، ۱۹۔ آگے اور پیچھے آپؐ کا برابر دیکھنا، ۲۰۔ [illegible] دور تک آپؐ کا رعب پہنچنا، ۲۱۔ آپؐ کا جوامع الکلم عطا ہونا، ۲۲۔ آپؐ کا تمام خلق کا نبیؐ ہونا، ۲۳۔ آپؐ پر نبوت کا ختم ہونا، ۲۴ آپؐ کی امت کا سب سے زیادہ ہونا، سب مخلوق سے آپؐ [illegible] افضل ہونا ۲۵۔ آپؐ پر غنائم کا حلال ہونا، ۲۶۔ تمام زمین پر نماز کا جائز ہونا، ۲۷۔ تیمم کا حکم ہونا، اذان اقامت کا مقرر ہونا، ۲۸۔ نماز میں صفیں جیسے فرشتوں کی صفیں ہوتی ہیں ہونا، ۲۹۔ جمعہ کا ہونا، ۳۰۔ اور اس میں خاص عبادت و ساعت اجابت کے لیے ہونا، ۳۱۔ روزہ کے لیے سحری کی اجازت ہونا۔ ۳۲ رمضان میں شب قدر ہونا، ۳۳۔ ایک نیکی کا ادنےٰ درجہ دس حصہ کے برابر اور زیادہ ثواب ملنا، ۳۴۔ وسوسہ اور خطا و نسیان کا گناہ نہ ہونا، ۳۵۔ [illegible] کا موقوف ہونا، ۳۶۔ تصویر اور [illegible] کی چیزوں کا ناجائز ہونا، ۳۷۔ اجماع امت کا حجت ہونا، ۳۸۔ اور اس میں گمراہی کا احتمال نہ ہونا، ۳۹۔ اختلاف فروعی کا رحمت ہونا، ۴۰۔ پہلی امتوں کی طرح عذاب نہ آنا۔ ۴۱۔ طاعون کا شہادت ہونا، ۴۲۔ علماء سے وہ کام دین کا لیا جانا جو انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے، ۴۳۔ قرب قیامت تک اہل حق کا رہنا، ۴۴۔ یا رب صل وسلم دائماً ابداً - علیٰ حبیبک خیر الخلق کلہم (نشر الطیب صد ۱۲۹)

(وصل جامع آپؐ کے طیب و مطیب ہونے میں)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مشک و عنبر یا اور کوئی خوشبو ایسی نہیں دیکھی جو حضور پُر نور علیہ السلام کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہو۔ اور اگر آپؐ کسی سے مصافحہ کرتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوش بو آتی رہتی تھی۔ آپؐ کبھی کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوش بو کے سبب دوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا تھا۔ ایک بار آپؐ حضرت انسؓ کے گھر میں سوئے تھے آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آیا۔ حضرت انسؓ کی والدہ ایک شیشی لا کر آپؐ کا پسینہ مبارک جمع کرنے لگی۔ حضور علیہ السلام نے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے۔ یہ پسینہ اعلیٰ درجہ کی خوش بو ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے سے جاتے تھے کوئی شخص آپؐ کی تلاش میں جاتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا تھا۔ آپؐ اس راستہ سے گزرے ہیں۔ یہ خوشبو بدون خوشبو لگائے ہوتی تھی جو آپؐ کے بدن مبارک میں ہوتی تھی اور کہا کہ مجھ کو ایک بار حضور علیہ السلام نے اپنے پیچھے سواری پر بٹھلایا تھا میں نے مہر نبوت کو اپنے منہ میں لے لیا تو اس میں مشک کی سی خوشبو آ رہی تھی۔ جب حضور علیہ السلام بیت الخلا میں جاتے تھے تو زمین پھٹ جاتی اور بول براز کو نگل جاتی تھی اور اس جگہ پاکیزہ خوشبو آتی تھی (نشر الطیب صد ۱۱)

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ بصیرت) روایت ہے کہ حضور پُر نُور صلی اللہ علیہ وسلم عقل میں سب پر ترجیح رکھتے تھے اور رائے میں سب سے افضل تھے۔ آپؐ اندھیری رات میں بھی اسی طرح دیکھتے جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ دُور سے بھی ایسا دیکھتے تھے جیسا نزدیک سے، آپ پیچھے سے بھی ایسا دیکھتے تھے جیسے سامنے سے۔ جب آپؐ نے مدینہ منورہ میں مسجد کی تعمیر شروع کی تو اُس وقت آپؐ نے خانہ کعبہ دیکھ لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلمات جامعہ عطا ہوئے۔ آپؐ اور آپؐ کی اُمّت کے لیے تمام زمین مسجد اور آلۂ طہارت بنائی گئی۔ آپؐ کے لیے غنیمت کو حلال کیا گیا۔ آپؐ کے لیے شفاعتِ کبریٰ اور مقامِ محمود خاص کیا گیا۔ اور آپؐ ہی تمام جن و انس اور خلائق کی طرف مبعوث کئے گئے (ص۲۲) (وصل دہم آپؐ کی عصمت)۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب مجھے ہوش آیا بتوں سے اور شعر گوئی سے نفرت تھی اور کبھی امر غیر مشروع کا مجھ کو خیال تک نہیں آیا (ص۱۵) (آپؐ پر عوارضِ بشریت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دوسرے انسانوں کی طرح شدائد جھیلنے کا اتفاق ہوا ہے تاکہ آپؐ کا ثواب بہت زیادہ ہو، اور درجات بلند ہوں۔ آپؐ بیمار بھی ہوئے۔ آپؐ کو درد وغیرہ اور گرمی سردی وغیرہ کا بھی اثر ہوا۔ آپؐ کو بھوک بھی لگی (آپؐ

کو موقعہ پر غصّہ

بھی آیا (ص۱۱۲)۔ حضور علیہ السلام کا عالمِ برزخ میں تشریف فرما ہونا)۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو مَیں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہ السلام کے بدن کو کھائے۔ قبر میں خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو میری قبر پر درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سُن لیتا ہوں اور جو دُور سے پڑھتا ہے وہ مجھے فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ [illegible] علیہ وسلم قیامت کے دن میں)۔ حضور علیہ [illegible] ہے۔ قیامت کے دن بھی مَیں اوّل [illegible] سے پہلے میری قبر

شق ہوگی۔ میں سب سے پہلے قبر سے اٹھوں گا۔ شفاعت کرنے والوں میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا میں ہوں اور سب سے اوّل میری شفاعت قبول ہوگی۔ میرے تابع قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوں گے۔ میں قیامت کے دن براق پر سوار ہوں گا۔ مجھے تمام عالم کے حساب کتاب کے لیے شفاعت کبریٰ عطا کی گئی ہے۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور سب لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ یہ میں فخر سے نہیں کہتا۔ قبر شق ہونے کے بعد مجھے جنت کا جوڑا پہنایا جائے گا۔ پھر میں عرش کے داہنی جانب کھڑا ہوں گا میرے سوا اس مقام پر کوئی نہ کھڑا ہوگا۔ میں سب رسولوں سے پہلے اپنی امت کو لے کر پُلصراط سے گزروں گا۔ ہر نبی کا حوض ہوگا جس پر وہ فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر لوگ زیادہ آتے ہیں اور مجھ کو اُمید ہے کہ میرے حوض پر بہت لوگ آویں گے کیونکہ میری اُمّت زیادہ ہے۔ پھر اجازت شفاعت کے متعلق فرمایا کہ اس دن اللہ پاک میرے ذہن میں ایسے حمد و ثنا کے الفاظ القا فرمائیں گے جو میرے ذہن میں نہیں ہیں۔ یہ علمی فضیلت آپ کی اس دن ظاہر ہوگی (نشر الطیب)

شفیع اُمّتِ عاصی بروزِ حشر ہوں آپ
لوائے حمد کے حامل مقامِ محمود

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلَىٰ حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں۔ آفتاب نبوت (ص۲۰) پر پھر یہ فیض نہ صرف عالمِ بشریت ہی تک محدود رہا۔ بلکہ جمادات، نباتات اور حیوانات و جنات تک بھی اس کی صدائے عام ہوئی جیسے مادی آفتاب کا اثر اُن تک پہنچتا ہے۔ کنکریاں دست مبارک میں آئیں تو تسبیح پڑھنے لگیں۔ کھجور کا ٹنڈ جو چند دن ٹیک کا ذریعہ بنا اس میں عارفوں کاملوں کی طرح جذبات ہوئی اور جدائی پر عارفوں کی طرح رویا۔ کیکر کے درخت سے آفتابِ نبوت قریب ہوا تو وہ شجرۃ الرضوان ہو گیا۔ جس کا رب العالمین نے قرآن میں ذکر کیا ہے۔ شجر و حجر میں سلام کرنے اور نبوت کی شہادت دینے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ جانور اپنی فریادیں لانے لگے اور پیغمبر

(باقی ۲۸ پر)

کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

لاہور میں پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے دفعہ ۱۴۴ کے خلاف مظاہروں کی روئداد

۷؍مارچ ۷۷ء کو انتخاب کے نام پر جو ڈرامہ رچایا گیا اس کی تفصیلات کافی حد تک سامنے آچکی ہیں اور اہل وطن بخوبی جان چکے ہیں کہ لاڑکانہ کے وڈیرے بھٹو نے اے ۱۰ رہیں سازش کے تحت حاصل کردہ تخت کو بچانے کے لئے کیا کیا فراڈ کھیلے ہیں۔

اس فراڈ، بد دیانتی اور دھاندلی کے پیش نظر پاکستان قومی اتحاد نے ۱۰؍مارچ کے صوبائی انتخاب کا بائیکاٹ کر دیا۔ اور ساتھ ہی ۱۱؍مارچ کو ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ اس بائیکاٹ اور ہڑتال کی مثال شاید کہیں مل سکے۔

حق تو یہ تھا کہ اس فیصلہ کے بعد مسٹر بھٹو اقتدار کو چھوڑ دیتے لیکن

؎ شرم چہ کتیاست کہ پیش مردم می آید

کے مصداق اس نے اقتدار سے علیحدہ کیا ہوتا تھا! اس نے عوام سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا اور عوام کے حقوق غصب کرنے کے بعد انہیں کرش کرنے کا ظالمانہ پروگرام بنالیا۔

قومی اتحاد کی جنرل کونسل نے عوام کے حقوق کی بازیابی کے لئے منظم تحریک کا آغاز کرنے کا اعلان کر دیا اور ۱۴؍مارچ ۷۷ء سے باقاعدہ تحریک شروع کر دی۔

اس فیصلے کے مطابق پی این اے کی مرکزی قیادت نے مختلف شہروں میں سب سے پہلے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر کے ایک مثال پیش کی۔

اس پروگرام کے مطابق لاہور میں پہلا احتجاجی مظاہرہ ۱۴؍مارچ ۷۷ء کو عصر کے بعد مسجد نیلا گنبد کے سامنے کیا گیا۔ اس مظاہرہ کی قیادت ائیر مارشل اصغر خان، میاں طفیل محمد، ملک محمد قاسم، قاری عبدالحمید (قلعہ لچھمن سنگھ) اور قاری عبدالحمید قادری نے کی۔

سچ یہ ہے کہ اس مظاہرہ کے دوران حد نظر تک انسان ہی انسان ہے۔ اور انہوں نے جس جرات و دلیری اور بہادری سے مظاہرہ کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔ اس روز کسی قسم کی کوئی گرفتاری عمل میں نہ آئی نہ ہی کوئی لاٹھی چارج وغیرہ ہوا۔ بلکہ عوام دور دور تک چلے گئے اور معقول حصہ تو جاوید ہاشمی کی قیادت میں مزار سید علی ہجویری قدس سرہ تک گیا۔

اگلے دن یعنی ۱۵؍مارچ کو مال روڈ پہ واقع مسجد شہدا کا پروگرام تھا، اس تاریخ کو جن بہادروں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ ان میں خاکسار راہنما امیر حبیب اللہ سعدی، چودھری غلام جیلانی، قاری عبدالحمید قلعہ لچھمن سنگھ، الیاس بٹالوی مسلم لیگی رہنما چودھری محمد حسین چٹھہ وغیرہ شامل تھے۔

اس تاریخ کو پی این اے کے سربراہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ اتحاد کے مرکزی اجلاس میں شریک ہونے کے لئے لاہور تشریف لائے۔ وہ بھی اس موقعہ پہ شامل ہونا چاہتے تھے۔ لیکن بے پناہ مصروفیات کے پیش نظر چند منٹ کی تاخیر ہو گئی۔

بندہ مولانا حمید الرحمٰن سمیت مسجد شہدا گیا ہمارے ساتھ جمعیت علماء اسلام کے رہنما قاری عبدالحمید صاحب تھے۔ جب ہم مسجد پہنچے تو پونے پانچ بجنے والے تھے۔ نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ مسجد اندر سے پوری طرح بھر چکی تھی۔ باہر کا لان فل تھا۔ اور ارد گرد دور دور تک عوام تھے چھتیں پر تھیں اور عوام کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ پولیس وغیرہ کی بے پناہ نفری تھی۔ چاروں طرف سے محاصرہ کئے ہوئے تھی۔ پولیس کے بعض انتہائی ذمہ دار افسر بالکل مسجد کے دروازے پہ تھے۔

ہم لوگوں نے باہر لان میں جماعت سے نماز ادا کی کیونکہ اندر جگہ نہ تھی۔ جونہی نماز ختم ہوئی جوش و خروش میں اضافہ ہو گیا نعرے شروع ہو گئے چند منٹ تقریر ہوئی اور قائدین قرآن گردن میں حمائل کئے پھولوں سے لدے باہر آئے شرافت کا تقاضا یہ تھا کہ ان واجب الاحترام قائدین کو گرفتار کر لیا جاتا اور معاملہ ختم ہو جاتا لیکن پولیس کے ناعاقبت نااندیش افسران نے مسجد کے دروازے پہ قائدین کو گرفتار کرنے کے بجائے پیٹنا شروع کر دیا، جس سے اشتعال بڑھا نعروں میں شدت ہوئی۔ پولیس نے مزید ستم یہ ڈھایا کہ مسجد کے جنگلے کے اندر موجود نمازیوں پہ لاٹھیاں برسانا شروع کر دیں۔ عوام نے بعض لاٹھیاں چھین لیں اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ اس پر مال کی دکانوں کی چھتوں پہ کھڑے عوام نے پتھراؤ شروع کر دیا، باخبر ذرائع کے مطابق ان میں بعض لوگ پولیس کے تھے جنہیں پولیس کی گاڑیوں میں پہلے لایا گیا تھا جو کہ سفید کپڑوں میں ملبوس تھے اور

انہیں ان مخصوص کاموں کی خاطر ادھر ادھر کھڑا کیا گیا تھا۔ غرض جب پتھراؤ ہوا تو پولیس نے ساتھ ہی آنسو گیس شروع کر دی۔ سب سے پہلے گولے مسجد کے صحن میں آکر گرے۔ لیکن باہمت شہریوں نے اٹھا کر الٹے پولیس کی طرف پھینک دیئے۔ پتھراؤ اور جوابی آنسو گیس سے پولیس کے بعض لوگ زخمی ہوتے تو ان کا پارہ چڑھ گیا اور پھر اس کثرت سے آنسو گیس کے گولے پھینکے کہ خدا کی پناہ۔ چاروں طرف دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے، مسجد کے اندر آکر گولے پھٹے مسجد کے شیشے ٹوٹ گئے چٹائیوں کو آگ لگ گئی، اس صورت حال کے پیش نظر لوگوں نے نکلنا چاہا تو پولیس کے باوردی اور بے وردی "مجاہدین" نے ناکہ بندی کر دی اور مختلف اطراف سے واپس جانے والے لوگوں کو اتنی بری طرح پیٹا کہ فرعون و ہٹلر کی روحیں شرما اٹھی ہوں گی۔

کچھ لوگوں نے مسجد کے اندر لاؤڈ سپیکر کھول کر قرآن کی تلاوت شروع کر دی اس پر "اسلامیہ جمہوریہ پاکستان" کے سپاہیوں نے بجلی کے تار کاٹنے کی کوشش کی سی کے فوٹو گرافر نے فوٹو لینا چاہا تو اس پر ایک فوج پل پڑی۔

ہم لوگ جرأت کر کے دروازے پر آئے وہاں موجود ایس پی (غالباً) سے کہا کہ آپ اپنا کارنامہ سرانجام دے چکے اب لوگوں کو جانے دیں تو اس نے بار بار قسمیں اٹھا کر یقین دلایا کہ آپ دائیں طرف سے نکل جائیں۔ آپ کو کوئی کچھ نہ کہے گا میرے ساتھ ترجمان اسلام کے ایڈیٹر جناب اکرام القادری مولوی عبدالحی صاحب "پرانی انار کلی" بھی تھے۔ ہم چند قدم آگے چلے تو پولیس نے ہمیں روک لیا ہم نے کہا کہ بھائی اپنے افسر کا لحاظ کرو تو وہاں یہ نظر آیا کہ ہر آدمی جس نے چند ٹکوں کی وردی پہن رکھی ہے۔ یہاں افسر ہے۔ ہمیں ایک کھلی جگہ بٹھا دیا۔ جہاں موٹر گاڑیوں کی ورکشاپیں تھیں۔ طرفہ تماشہ یہ کہ ورکشاپوں میں کام کرنے والے افراد کو اندر بند کر دیا گیا۔ اس موقعہ پر بعض پولیس کے سپاہیوں نے انتہائی بدبختی کا مظاہرہ کیا۔ داڑھی وغیرہ شعائر اسلام کی توہین کی، اس پر ہمارے ساتھ موجود ایک مجاہد حاجی عبدالکریم جو معمر بزرگ تھے نے بری طرح ٹوکا اس پر اس مکروہ شکل نے جو .... کا دلدوز نعرہ معلوم ہوتا تھا گولی سے مار دینے کی دھمکی دی لیکن اس عظیم انسان نے چھاتی سامنے کر دی تب اس کمینہ فطرت نے خاموشی اختیار کی۔

ہمیں وہاں بٹھا کر محاصرہ میں لے لیا گیا اس کے بعد مسجد میں یار لوگ گھس گئے۔ ایک عیسائی پولیس افسر نے اپنی اسلام دشمنی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ مسجد میں لوگوں کو پیٹا اور وہاں سے گرفتار کیا۔

اس اثنا میں نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ ہمارے کہنے کے باوجود موقعہ نہ دیا گیا تو ہم نے وہی کچی زمین پر جہاں گرد بہت تھا، صفیں باندھ لیں۔ بعض رفقاء نے وضو کرنا تھا قریب کے مکانات کے مکینوں نے پانی کا انتظام کیا۔ اور وہاں نماز ادا ہوئی۔ ان نمازیوں اور مجاہدوں کو نماز پڑھانے کی سعادت بندہ کو حاصل ہوئی۔

نماز ادا ہو چکی تو قریب کھڑی پولیس کی گاڑی میں ہم میں سے کچھ لوگوں کو بٹھایا۔ ایک دوسری گاڑی میں دوسرے لوگ بٹھائے گئے اور چند منٹ میں ہمیں تھانہ سول لائن پہنچا دیا گیا۔ تھانہ سول لائن کے ریکارڈ روم میں ہمیں بند کر دیا گیا دوسری طرف رنگل چوک وغیرہ سے پکڑے جانے والے افراد بھی وہیں لائے گئے۔ جن میں مشہور خطاط صاحب نسبت بزرگ سید نفیس شاہ صاحب کے صاحبزادے سید انیس بھی شامل تھے معلوم ہوا کہ اس طرف لوگوں کو بہت پیٹا گیا۔ ریکارڈ روم میں ایک پولیس مین تشریف لائے۔ ذہن میں نہیں کہ اے ایس آئی تھا یا اس سے بڑے رینک کا کوئی پولیس مین۔

بہرحال اس نے نام لکھنے شروع کئے ایمان داری کی بات ہے کہ اس کی قابلیت پرائمری فیل بچے سے بھی کم تھی۔ سیدھے سادھے نام بھی نہ لکھ سکتا تھا۔ بندہ کا نام بگاڑ کر لکھ دیا مشکل سے اس کی اصلاح کرائی تو "مدیر خدام الدین" لکھنے میں الجھ گیا تھا اور کاٹا آخر مجھے یہ خدمت بھی ادا کرنا پڑی۔ ۶۰ سے زائد افراد میں پانچ چار ایسے بھی تھے جو خاصے زخمی تھے رومالوں سے پٹیاں تھیں۔ لیکن ان انسانیت کے دشمنوں کو قطعاً احساس نہ تھا۔ نام وغیرہ لکھے گئے تو حوالات کے چھوٹے کمرے میں بند کر دیا گیا چند منٹ بعد بڑے کمرے میں بند کر دیا گیا جو بمشکل ۲۰ آدمیوں کے لیے کافی تھا، لیکن آدمی ۶۰ سے زاید تھے۔ چند منٹ کے بعد احباب اور دوست آنا شروع ہو گئے۔ لیگل کمیٹی کے چوہدری محمد اسمٰعیل تشریف لائے۔ جاوید ہاشمی اور ملک حامد سرفراز پہنچے۔ مولانا حمید الرحمٰن اور میاں محمد حنیف آئے۔ مختلف لوگوں کے وارنٹ آئے۔ اندر موجود ہر بوڑھا خوش و خرم تھا۔ جذبات جوان تھے۔ کھانے پینے کی مختلف اشیا آنی شروع ہو گئیں۔ کھایا پیا۔ عشاء کی نماز احقر نے پڑھائی۔ بلکہ احباب اور بزرگوں نے از راہِ شفقت و عنایت امیر منتخب کر کے عزت بخشی۔ نماز عشاء کے بعد تقریر کا موقع ملا۔ ساری رات ہنستے کھیلتے پڑھتے پڑھاتے گذر گئی۔ دو تین دوستوں کے سوا کوئی نہ سویا۔ عام طور پر چند منٹ کے لیے کمر سیدھی کی اور بعض احباب تو بالکل نہ سوئے صبح کی نماز کے وقت بڑی مشکل پیش آئی۔ پانی نہ دارد ہر چند انتظامیہ کو توجہ دلائی لیکن بے سود۔ آخرکار احقر نے دوسرے علما دوستوں کے مشورہ سے اعلان کر دیا کہ تیمم کریں اور نماز پڑھیں۔ تیمم کر کے سنتیں پڑھیں تو پانی آ گیا وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اللہ کے کرم سے سورۂ رحمٰن اور مرسلات کی تلاوت ہوئی نماز کے اندر ایک اور سرور نصیب ہوا۔ نماز فجر کے بعد تقریر و درس اور تلاوت کا سلسلہ رہا۔ اس کے بعد ناشتہ آنا شروع ہو گیا۔ مختلف اشیا آتی رہیں احباب نوش جان کرتے رہے دوپہر کو پہلے ایک زندانی دوست محمد صادق صاحب کے گھر سے کھانا آیا سب نے مل کر کھایا۔ پھر ایک تاجر دوست کی طرف سے پلاؤ کے ڈبے اور شامی کباب آئے سیر ہو کر کھائے گئے۔ بلکہ پولیس کے عملہ کو بھی کھلائے گئے۔ نماز ظہر باجماعت ادا کی۔ اس کے بعد سید انیس نے تقریر کی۔ یاد رہے کہ صبح کے وقت افریشیا کے ایڈیٹر اختر کاشمیری نے بھی خطاب کیا تھا۔

عصر کا وقت پوری طرح نہ ہوا تھا کہ "صداقت و دیانت کے علمبردار" پولیس افسر نے ضمانت کی خبر نام پکار پکار کر حوالات سے باہر نکالا۔ لیکن دروازہ پر کھڑی پولیس نے گاڑیوں میں بٹھایا جو سیدھی کیمپ جیل پہنچیں۔ ہماری گاڑیوں کے ساتھ

میاں محمد حنیف صاحب ناظم جمعیۃ علماء اسلام لاہور اور مولانا حمید الرحمٰن گاڑی میں تھے۔ وہ جیل پہونچا کر اور کمبل دے کر واپس آگئے۔ ڈیوڑھی میں حاضری ہوئی۔ نام لکھے گئے۔ رقومات جمع ہوئیں اور گھڑیاں لے لی گئیں۔ ان کی فہرستیں بنیں۔ یہیں جناب ضیا شاہد (مشہور صحافی) سے ملاقات ہوئی۔ بتلایا گیا کہ آپ لوگوں کی آمد کا علم ہو چکا تھا۔ یہاں انتظام مکمل کر لیے گئے۔ بارک نمبر ۱ جو یونہی پڑی تھی کی صفائی کرائی گئی، پانی کا انتظام کیا گیا فنائل وغیرہ چھڑکوایا گیا۔ سر شام ہم اندر داخل ہوئے ۶، ۶ آدمی ایک چکی میں بند کیے گئے۔ ہمارے لیے پانی کے گھڑے بھرے رکھے تھے وہ چکیوں میں پہنچا دیئے گئے۔ کھانا دے دیا گیا اور چکیاں بند کر دی گئیں۔ لائٹ نہ تھی موم بتی کا تقاضا ہوا۔ باہر سے کسی دوست نے بھیجی بھی لیکن ایک چکی میں ایک دیکر باقی ....

بندہ کے ساتھ چکی میں جناب اکرام القادری مولوی عبد الحئی، مولوی محمد افضل کشمیری جامعہ مدنیہ سید انیس تھے اور چھٹے کارپٹ کے ایک تاجر جناب رحمان بخش تھے۔ انتہائی باوقار، شریف النفس اور مرنجاں مرنج۔ ہم نے اپنی چکی کا انہیں امیر بنا ڈالا۔ جبکہ اجتماعی طور پر امارت کا بوجھ بندہ کے سر تھا۔

ایک لطیفہ سول لائن تھانہ سے متعلق ہے جب بندہ کی امارت کا اعلان ہوا تو ہمارے دوست اختر کاشمیری نے اپنی ڈکٹیٹر شپ کے لیے میرے کان میں کھسر پھسر کی اور ثابت کرنا چاہا کہ تنظیم قائم رکھنے کے لیے ایسا ضروری ہے ہر چند کہ میں نے اور سب نے احتجاج کیا کہ ڈکٹیٹر کے خلاف جنگ لڑی جا رہی ہے اور یہاں ڈکٹیٹر کا کیا کام؟ لیکن وہ اڑے رہے اور پاکستان قومی اسمبلی کے نتائج کی طرح دھاندلی سے اپنی ڈکٹیٹر شپ کا اعلان کر دیا۔

جیل کی رات نے خوب مزہ دیا۔ دوسری منزل تھی ٹھنڈا ماحول تھا اور کمبل کم تھے۔ نیند کے پیش نظر عشاء کے بعد جلد ہی سو گئے، لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب سردی نے رنگ دکھایا تو وقفہ وقفہ سے آنکھ کھلنا شروع ہو گئی۔ پھر قرآن شریف کی تلاوت، شعر شاعری کا سلسلہ چل نکلا۔ ہمارے دوست اکرام القادری نے ہلکے پھلکے لطائف سے اپنی شخصیت کا چھپا ہوا پہلو ظاہر کیا۔ بہرحال رات گذر گئی، طلوع سورج سے نصف گھنٹہ پہلے چکیاں کھل گئیں۔ ہم نچلی منزل میں آگئے۔ وضوء وغیرہ کیا، نماز پڑھی۔ سب ساتھی اکٹھے ہو گئے۔ لطائف و ظرائف کا سلسلہ شروع ہو گیا گپ شپ ہوئی، چہل قدمی ہوتی رہی اس کے بعد چائے وغیرہ آنا شروع ہو گئی۔ کچھ آئی اور کچھ .... دوپہر سے پہلے ملاقات کیلیے مختلف احباب آنا شروع ہوئے۔ جس کے نام کی چٹ آتی تو وہ چلا جاتا، ملاقات کر تا واپس آجاتا۔ ہم بھی گئے سید نفیس شاہ صاحب جمعیۃ طلباء اسلام لاہور کے سربراہ زین عباسی صاحب اور دوسرے بزرگ اور احباب تشریف لائے دعائیں دیں اور واپس تشریف لے گئے۔ اسی دوران پی این اے کے پارلیمانی بورڈ کے سیکرٹری اور انتھک مخلص سیاسی ورکر جناب صفدر صدیقی سے ملاقات ہوئی جو ایک عرصہ سے جیل میں ہیں۔ پھر اکرام القادری صاحب اور بندہ ان کی چکی میں گئے۔ باتیں ہوئیں وہاں جناب عبد الرؤف ملک سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے کھانا کھایا۔ ظہر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد اپنی چکی نمبر ۱۳ میں جب احباب کو جمع کیا باضابطہ صدارت میں مجلس وعظ ہوئی۔ اختر کاشمیری صدر تھے اکرام صاحب سیکرٹری، سید انیس نے تلاوت کی احباب کی خواہش پر اکرام القادری صاحب نے حضرت قاسم نانوتوی کے نعتیہ قصیدہ کے چند اشعار سنائے۔ بعد میں احقر نے نماز کے عنوان پر خطاب کیا۔ میں اپنے پیدا کرنے والے کا کن زبان سے شکریہ ادا کروں کہ اس نے اپنے فضل سے بہت کچھ کہلوایا اور پھر احباب نے اٹھ لیا دعائیں دیں۔ عصر کی نماز پڑھی حاضری ہوئی۔ کھانا ملا چکیوں میں جانے کی تیاری تھی کہ ضمانت کی اطلاع ملی۔ ہوتے ہوتے مغرب کا وقت آگیا پھر نماز ادا کی۔ اکرام القادری صاحب اور اختر کاشمیری نے مختصر خطاب میں احباب کو مبارکباد دی۔ پھر نام لے لے کر باہر نکالا گیا۔ پولیس دانشوروں کے قلم کی مہربانیاں قدم قدم پر رکاوٹ بنیں۔ منزل در منزل چلے، ڈیوڑھی پہنچے وہاں کھٹ پٹ شروع ہوئی۔ ڈبل ڈبل انگوٹھے لگائے۔ رقوم و گھڑیاں واپس ہوئیں۔ اور اس طرح ۹½ بجے جیل سے باہر نکلے۔ باہر خان محمد یونس خان ایڈووکیٹ سمیت بہت سے احباب و رفقاء موجود تھے۔ گلے میں ہار ڈالے گئے۔ نعرے لگائے گئے اور احباب اپنی منزل کو چل دیئے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ ۵۲، ۵۴ گھنٹہ کا وقت میری زندگی کا انتہائی قیمتی اور یادگار دور ہے۔ نئے نئے تجربے ہوئے۔ اکابر کی زندگی کے مختلف گوشے سامنے آئے بڑے باحوصلہ بہادر اور شریف لوگوں کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ جیل کے اندر جرائم کی کس طرح پرورش ہوتی ہے اس کے تلخ تجربات سامنے آئے۔ یہ بات بہرصورت حوصلہ افزا ہے کہ جیل کی اندرونی دنیا کا معقول و بھرپور حصہ قومی اتحاد کی تحریک و پیغام سے نہ صرف یہ کہ متاثر ہے بلکہ علی الاعلان حمایت بھی کرتے ہیں۔

۱۶ کی شام کو بعد از عصر مسلم مسجد لاہور سے جلوس نکلا۔ حضرت مولانا عبید اللہ انور نے بعد عز و ناز گرفتاری دی۔ واپسی پر مولانا کی پرشکوہ شخصیت اور ان کی جرأت و لیاقت کا چرچا سنا۔ ساتھ ہی ساتھ انتظامیہ کی ذلیل حرکات کا علم ہوا جو اس نے اس دن مسلم مسجد سے دور نیلا گنبد میں کیں۔

۱۷ کو حضرت مولانا غلام علی اوکاڑوی کی قیادت میں داتا دربار سے جلوس نکلا۔ مولانا اوکاڑوی نے وہاں مختصر تقریر کی اور ان نام نہاد لوگوں کو علماء جو بزرگوں کا نام لے کر بدنیتی کرتے ہیں۔ انہوں نے للکار کر کہا کہ داتا کے خادم ہم ہیں اور ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔ اس دن بھی بعض شرمناک واقعات پیش آئے۔ جائے جلوس سے کہیں دور عثمان روڈ پر بس جلانے کا قصہ ایک ایسا معمہ ہے جس کا سمجھنا مشکل نہیں۔

۱۸ کی صبح اخبارات میں دیکھا کہ آج پھر داتا دربار سے جلوس نکلے گا۔ قیادت ائیر مارشل اصغر خان کریں گے۔ ساتھ ہی اصغر خان کی گرفتاری کی خبر تھی۔ بہرحال جلوس جب پروگرام کے مطابق نکلا چوہدری

رحمت الٰہی اور مولوی زین عباسی وغیرہ نے قیادت کی۔ جمعہ کا دن تھا۔ اوقاف کے خطیب نے لن ترانی کی تو پٹائی ہوئی وہ جوتے چھوڑ کر بھاگا۔ دمعلوم رانا اقبال کو کیا کہنا ہوگا جس کے احمقانہ حکم سے اس نے ایسا کیا۔ معلوم ہوا کہ اوقاف کے مولوی اس قصہ کے بعد بہت پریشان ہیں۔

۱۹ کو مسجد قدس چوک دالگراں لاہور سے جلوس کا پروگرام تھا۔ یہاں سے مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی کی قیادت میں قافلہ جانا تھا۔ ۲½ بجے احقر بھی وہاں پہونچا۔ احباب کے اصرار پر چند منٹ خطاب کیا۔ بعد از عصر عالمانہ وقار اور مجاہدانہ انداز سے قافلہ چلا۔ برانڈرتھ روڈ پر انتظامیہ کی خاصی مرمت ہوئی۔ جس کا بدلہ آج ۲۰ کی شام کو چوک رنگ محل میں لینے کی کوشش کی گئی۔ جہاں سے جمعیۃ علماء اسلام لاہور کے امیر اور حضرت لاہوری کے خادم مولانا محمد اسحاق کی قیادت میں قافلہ نکلا۔ پولیس کے ظالم وسفاک درندہ صفت اور دون نہاد افراد نے غایت درجہ کمینگی اور مکاری اور بے شرمی سے عوام کو پیٹا۔ لیکن عوام نے پوری شاہ عالم مارکیٹ میں جو حشر کیا وہ بھی یادگار ہے۔ جب یہ سطور تحریر کی جا رہی ہیں تو گلی کوچہ میں پولیس عوام جنگ جاری ہے۔ آگ کے شعلے اور دھواں اٹھ رہا ہے۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں بھاگ رہی ہیں اور وائرلیس کے ذریعہ پولیس افسران کے پیغامات ان کے تاریک مستقبل کا پتہ دے رہے ہیں۔

اپنے دوست اکرام صاحب کی فرمائش پر ۱۵ جنوری کے قصہ کی مناسبت سے "کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے" کا عنوان دے کر آج تک کا قصہ اختصار سے ذکر کر دیا۔ وہ ذکر ہو گیا۔ عنوان جون کا توں ہے۔

حرفِ آخر کے طور پر ان رفقاء کے نام پیش خدمت ہیں جو ہمارے ساتھ تھے۔

رحمان بخش صاحب شو مارکیٹ، مستری نور اللہ شیرانوالہ گیٹ، سید حامد حسین صاحب دھرم پورہ، شیراز احمد صاحب مغل پورہ، غلام مرتضیٰ صاحب مزنگ، خالد طفیل صاحب فلیمنگ روڈ، طارق صاحب راج گڑھ، سیفی شاہ صاحب اچھرہ، شہزاد بٹ صاحب بیڈن روڈ، راشد جاوید صاحب ماڈل ٹاؤن، سلامت پیرا صاحب مال روڈ، چوہدری عبدالغنی صاحب اسامیہ کالونی، محمد نعیم صاحب انارکلی، محمد بلال صاحب اسلامیہ پارک، اشفاق احمد صاحب سید واڑی، محمد آصف صاحب بلال گنج، شوکت علی صاحب پریم نگر، محمد شفیق صاحب رحمان پورہ، اطہر مامون صاحب اردو بازار، فضل الٰہی صاحب فین روڈ، یاسین صاحب سید مٹھا۔ مرزا محمد ادریس گلبرگ، محمد گل صاحب بلال گنج۔ محمد ندیم صاحب رنگ محل، وقار الحق صاحب دھرم پورہ، منیر صاحب گوجرانوالہ، سجاد حسین صاحب رنگ محل، سید وصی الدین، سید وجیہ الدین صاحب مال روڈ، عبد المجید صاحب نسبت روڈ، لطیف النبی صاحب کمرشل بلڈنگ، قاری محمد یونس صاحب نیو گارڈن ٹاؤن، سردار محمد صاحب گوجرانوالہ، محمد سلیم صاحب رام گلی، سید ماجد علی شاہ صاحب وحدت کالونی، صوفی عبد الرحمن صاحب فاروق گنج، محمد خالد صاحب عثمان گنج، مرزا غلام رسول صاحب شالامار ٹاؤن، حاجی عبد الکریم صاحب موڈی وال، حافظ محمد اشرف صاحب مسجد ایل او ایس، محمد نعمان صاحب بیگم کوٹ، محمد اعظم صاحب سمن آباد، ضمیر احمد صاحب نسبت روڈ، مسٹر عبد الحمید صاحب المجاہد کالونی، سید انیس الحسینی صاحب جامعہ مدنیہ لاہور، مولوی عبد السمیع صاحب انارکلی، اختر کاشمیری (افریشیا) اکرام القادری صاحب (ترجمان اسلام) مولوی محمد افضل صاحب عبد الوحید صاحب خوشنویس فیروز سنز، مولوی امام دین صاحب بیگم کوٹ، مولوی محمد سلیمان صاحب رنگیلا چوک، محمد اسماعیل خالد صاحب شارع فاطمہ جناح، مولوی سمیع اللہ قذافی بازار، شہزاد صاحب مغل پورہ، محمد سلیم صاحب گلبرگ، محمد صادق صاحب پیسہ اخبار، محمد اکبر صاحب چیمبرلین روڈ۔

اختر کاشمیری، محمد شفیق اور محمد صادق صاحب زخمی تھے۔ ان میں مؤخر الذکر بڑی عمر کے بزرگ لیکن انتہائی باحوصلہ، سنجیدہ اور متین قسم کے آدمی تھے۔

سید وجیہ الدین اور سید وصی الدین حضرت امیر شریعت کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور سادات و بخارا کی خوبیوں کے حامل۔ مولوی امام دین صاحب، مرزا غلام رسول، مستری نور محمد صاحب بڑی عمر کے بزرگ لیکن بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ رحمان بخش صاحب، لطیف نبی صاحب کھاتے پیتے لوگ، لیکن بڑے باکمال۔ صوفی عبد الرحمن کو لاٹھی بھی لگی۔ داڑھی پکڑ کر کھینچی گئی لیکن ہمت وحوصلہ جوان تھا۔

سبھی نوجوان ایسے تھے کہ ان کے چہرے مہرے اور چال ڈھال سے روشن مستقبل کا پتہ چلتا تھا۔ تاہم طارق صاحب، اشفاق صاحب، نعیم صاحب شفیق صاحب، وقار الحق، سجاد حسین صاحب سید ماجد علی شاہ، حافظ محمد اشرف صاحب سید انیس، مولوی محمد افضل صاحب اس قوم کے چمکتے ستارے معلوم ہوتے تھے، چوہدری عبدالغنی غضب کے مقرر، مولوی سمیع اور ضمیر احمد صاحب اور عبد الوحید صاحب بہت کم گو، اختر کاشمیری اور مولوی عبد السمیع، بھائی یاسین خوب بولتے اور پھبتے دار باتیں کرتے۔ حامد انتہائی شریف اور جذباتی۔

بہرحال اس مختصر مدت کے ساتھی واقعی عظیم تھے اور جب ہم رخصت ہوئے تو ایک دوسرے سے گلے ملے۔ بہت سے آبدیدہ ہو گئے۔ ایک دوسرے کے پتے معلوم کیے گئے۔ فون نوٹ کیے ملنے ملانے کے وعدے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ سب کو اپنے دین کے لیے قبول فرمائے۔ آمین:

واضح رہے کہ ان گرفتار شدگان پر انتظامیہ کے بزرجمہروں نے جن دفعات کے تحت مقدمہ درج کیا وہ پانچ ہیں اور ان میں (۳۰۷) ارادہ قتل بھی شامل ہے۔ باقی دفعات یہ ہیں:
۳۵۴ ، ۱۴۸ ، ۱۴۹ ، ۱۸۸۔ جب ہم سے سوال ہوا کہ ۳۰۷ کیوں؟ تو ہم نے کہا کہ بھائی لگنی تو ۳۰۲ چاہیے تھی اس لیے کہ ہم نے ۱۴۴ سمیت تمام ظالمانہ قوانین کو قتل کر دیا ہے۔



حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مولانا اعجاز الحق قدوسی

آپ کا نام میمونہ تھا، آپ کے والد کا نام حارث اور آپ کی والدہ کا نام ہند[1] تھا۔

نکاح

حضرت میمونہ کا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا تھا۔ لیکن کسی وجہ سے دونوں میں جدائی ہو گئی، پھر ابورھم بن عبدالعزیٰ سے نکاح ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح

ابورھم کے مرنے کے بعد ہجرت کے ساتویں سال ذی قعدہ کے مہینے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ فرمایا تو حضرت میمونہ بیوہ ہو چکی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے حضرت میمونہؓ کے متعلق عرض کیا اور اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کر کے جب مدینہ واپس ہوئے تو آپ مقام سرف میں جو مکے سے دس میل پہ ہے ٹھہرے، آپ کے غلام حضرت ابورافع رضؓ حضرت میمونہ رضؓ کو لے کر سرف پہنچے اور یہیں عروسی کی رسم ادا ہوئی[2]۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری نکاح تھا۔ اور حضرت میمونہ رضؓ آپ کی آخری بیوی تھیں۔

اخلاق

پرہیزگاری

حضرت میمونہ رضؓ بڑی پرہیزگار، متقی، اللہ سے ڈرنے والی اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والی بی بی تھیں۔

یزید بن اصم بیان کرتے ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ رضؓ کے بھانجے ابن طلحہ بن عبیداللہ مدینہ منورہ کے باغیچے میں تھے کہ ہمیں حضرت عائشہ رضؓ ملیں، وہ اس وقت مکے سے تشریف لا رہی تھیں۔ ہم نے اس باغ میں سے کچھ پھل بغیر اجازت کے توڑ لیے۔ جب اس کی خبر حضرت عائشہؓ کو ہوئی تو وہ حضرت میمونہؓ کے بھانجے ابن طلحہ کے پاس آئیں اور ان کو ڈانٹا اور اس کام پر ملامت کی۔

پھر میری طرف متوجہ ہوئیں، اور مجھے بہترین نصیحت فرمائی۔ پھر (حضرت میمونہ کے بھانجے ابن طلحہ کی طرف متوجہ ہو کر) ارشاد فرمایا کہ (اے ابن طلحہ) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ نے تمہیں اس بلند مرتبے پر پہنچایا کہ تم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں شامل ہو گئے۔ میمونہ رضؓ جنت کو سدھار گئیں اور تم بالکل آزاد ہو گئے۔ (تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میمونہ رضؓ ہم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرتی اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتی تھیں[1]۔

ایک دفعہ حضرت میمونہ رضؓ کا ایک رشتہ دار ان کے پاس آیا اور اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی آپ نے اس سے فرمایا کہ ابھی مسلمانوں کے پاس جاؤ، جب تک کہ وہ شراب پینے کے جرم میں تمہارے کوڑے لگا کر تمہیں پاک نہ کر دیں۔ میرے گھر میں کبھی قدم نہ رکھنا[2]۔

---

[1]: زرقانی جلد ثالث صفحہ ۲۵۰
[2]: سیر الصحابیات صفحہ ۱۴۸ بحوالہ تہذیب۔

[1]: طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۹
[2]: طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۹۹

پاکیزگی :-

اسلام نے ہر مسلمان کو صفائی و پاکیزگی کے ساتھ رہنا لازمی قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔ یزید بن اصم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی حضرت میمونہؓ کی مسواک ہر وقت پانی میں بھیگی رہتی تھی۔ اور سوائے کام کاج اور نماز کے ہر وقت مسواک کرتی رہتی تھیں۔[1]

تفقہ

تفقہ کے معنی ہیں دین کی باریکیوں کو سمجھنا، حضرت میمونہؓ بڑی سمجھ دار اور عقل مند بی بی تھیں۔ خصوصاً دینی اور اسلامی امور میں خدائے تعالیٰ نے ان کو خاص سمجھ عطا فرمائی تھی۔

ایک دفعہ ایک عورت بیمار پڑی۔ اس نے اپنی بیماری کے زمانے میں منت مانی تھی کہ اگر وہ اچھی ہو جائے گی تو بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی۔ خدا کے فضل سے وہ اچھی ہو گئی اور سفر کی تیاریاں شروع کیں، روانہ ہونے سے پہلے وہ عورت حضرت میمونہؓ سے ملنے کے لئے آئی اور سارا حال ان سے بیان کیا، آپ نے فرمایا تم یہیں رہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھ لو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری تمام مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے سوائے خانہ کعبہ کے۔[2]

غلاموں پر شفقت

ایک دفعہ حضرت میمونہؓ نے ایک باندی کو آزاد کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے آپ سے ذکر کیا کہ میں نے اپنی ایک باندی کو آزاد کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا تم کو اس میں بڑا ثواب ملا لیکن اگر تم اس کو اپنے بھائی کو دے دیتیں تو اور بھی زیادہ ثواب ملتا۔[1]

توکل :

توکل کے معنی خدا پر بھروسہ کرنے کے ہیں۔ حضرت میمونہ اپنے ہر کام میں خدا پر بھروسہ کرتی تھیں۔

ایک دفعہ حضرت میمونہ رضؓ نے ایک بڑی رقم قرض لی، کسی نے کہا اتنی بڑی رقم آپ کیسے ادا کریں گی؟ آپ نے فرمایا:- "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو آدمی قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا خود اس کا قرض ادا کرا دیتا ہے"۔[2]

علم :-

حضرت میمونہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھہتر حدیثیں لوگوں سے بیان کیں۔[3] اور جن بزرگوں نے آپ سے روایت کی ان میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن شداد، عبدالرحمن بن السائب اور یزید بن اصم مشہور ہیں۔[4]

وفات :-

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی سال کی عمر پا کر ۵۱ھ میں جنت کو سدھاریں۔[5] انا للہ وانا الیہ راجعون

عجیب بات یہ ہے کہ سرف میں ہی ان کی عروسی کی رسم ہوئی اور سرف میں ہی انھوں نے وفات پائی اور وہیں ان کی قبر ہے۔[6]

جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے لوگوں سے کہا "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی ہیں اور تمہاری ماں ہیں۔ ان کے جنازے کو زیادہ حرکت نہ دو اور ادب کے ساتھ آہستہ آہستہ لے چلو"۔[7]

لہ طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۹۹، ۲ے مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۳۳،

لہ مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۳۲ عن سلیمان بن یسار ۲ے مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۲۳۲۔ ۳ے رحمۃ للعالمین جلد دوم صفحہ ۲۴۰۔ ۴ے سیر الصحابیات صفحہ ۶۶ ۵ے حضرت میمونہؓ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے بعض روایتوں میں ۵۱ھ بعض میں ۶۱ھ اور بعض میں ۶۶ھ مذکور ہے۔ مگر صاحب زرقانی نے جلد ثالث صفحہ ۲۵۳ پر ۵۱ھ والی روایت کو زیادہ صحیح بتایا ہے ۶ے طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۰۱،

۷ے طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۰۱۔

(باقی ۲۸ پر)

حضرت شیخ الاسلام کی حیاتِ مبارکہ کے تین دور اور انکی خصوصیات

بچشم دیگراں کبیر و بنظر خود حقیر - اپنی اور دوسروں کی نگاہ کا فرق

(از: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی شیخ الحدیث)

مشاہیر اسلام میں کسی کو "بدیع الزمان" کے لقب
سے پکارا گیا ہے اور کسی کو مورخین نادرۃ العصر لکھتے
ہیں جن مشاہیر کو ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے ان
کے کسی ایک کمال کے لحاظ سے یہ القاب حقیقت
پر مبنی ہوں تو ہوں مگر ان کے تمام اوصاف کے
لحاظ سے خالی از مبالغہ نہیں ہیں۔ لیکن شیخ الاسلام
حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے
جملہ اوصاف کے لحاظ سے بدیع الزمان نادرۃ العصر
اور یکتائے روزگار تھے، وہ اپنے متنوع علمی کمالات
و باطنی مقامات بے شمار محاسن اعمال اور بے انتہا
بلند اخلاق و کردار کے لحاظ سے بالکل منفرد اور
بے مثال تھے۔

مولانا کی زندگی کے تین دور ہیں۔ پہلا دور
خالص علمی خدمت کا دور تھا جو ابتدائے قیام مدینہ
(۱۳۱۶ھ) سے شروع ہوکر اسارت مالٹا (۱۳۳۳ھ)
پر ختم ہوتا ہے۔ اس سترہ سال کی مدت میں تین بار
آپ ہندوستان واپس آئے ہیں۔ اور کبھی چند مہینے
اور کبھی چند برس رہ کر پھر حجاز چلے گئے ہیں۔
فترات قیام ہند کے استثنا کے بعد کم و بیش تیرہ
سال آپ نے مدینہ منورہ میں علم دین کی نشر و
اشاعت میں صرف فرمائے ہیں۔ اسی دور کی
یادگار آپ کا فاضلانہ رسالہ الشہاب الثاقب
ہے جس میں بریلوی فتنہ کی آپ نے بیخ کنی کی ہے
اور اسی دور کی یادگار ہماری جماعت کے ممتاز
عالم ادیب اور مفسر مولانا عبدالحق مدنی رحمۃ اللہ
علیہ تھے جنہوں نے مدینہ طیبہ میں مولانا سے تعلیم
پائی تھی۔

دوسرا دور مالٹا سے واپسی ۱۳۳۸ھ کے بعد
سے ۱۳۴۶ھ، دارالعلوم دیوبند کی صدارت
عظمیٰ پر فائز ہونے تک کا ہے، یہ زمانہ آپ کی
سیاسی گرم جوشی، تحریک خلافت و تحریک آزادی
کی علمبرداری، فرنگی حکومت سے ٹکر لینے اور اس
کے نتیجہ میں قید و بند کا دور ہے جس میں آپ
کی سیاسی بصیرت و تدبر، مجاہدانہ عزم و
ہمت اور غیر متزلزل صبر و استقامت کا ظہور ہوا
تیسرا دور دارالعلوم کی صدارت ۱۳۴۶ھ
سے لے کر وفات تک کا زمانہ ہے جس میں بیک
وقت آپ دنیائے اسلام میں اپنے نوع کی واحد
اور سب سے بڑی دینی درسگاہ کے شیخ الحدیث
اور صدر المدرسین بھی تھے۔ اور اس مدت کے اکثر
حصہ میں ہندو مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود کی کفیل
جماعت جمعیۃ علمائے ہند کے صدر و رئیس مجلس
بھی تھے اور ان تمام تعلیمی، سیاسی و اصلاحی
عظیم مہمات کی سرانجام دہی کے ساتھ اس
دور میں ہندوستان کے سب سے اونچے عارف
باللہ اور شیخ طریقت بھی تھے جن کے ہاتھ پر
لاکھوں بندگانِ خدا نے بیعت کر کے ہدایت پائی
اور کتنوں کو معرفتِ خداوندی نصیب ہوئی۔
ان تین دوروں کے علاوہ آپ کی زندگی کا
ایک اہم دور اسارت مالٹا کا زمانہ بھی ہے۔ جس
میں اپنے شفیق استاذ و مربی کے ساتھ ان کے
والہانہ شغف، بے مثال وفا شعاری اور کمالِ
عقیدت و خدمت گزاری کے جوہر کھلے۔

مولانا کی زندگی کا یہ ایک نہایت اجمالی خاکہ ہے۔ اس
اجمال کی تفصیل اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔ ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

بہر حال ہر چہار ادوار حیات کی تفصیلی داستان سنانے
کا حق تو مولانا کے مستقل سوانح نگار کو ہے۔ میں اس
وقت کچھ اپنے تاثرات اور چند مشاہدات کو ذکر کر کے
مولانا کے تذکرہ نویسوں کی صف میں شامل ہونے
کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے حضرت مرحوم
کی زیارت کا شرف پہلی بار مالٹا سے واپسی کے بعد
۱۳۳۸ھ یا ۱۳۳۹ھ میں اس وقت حاصل ہوا جب
میں دارالعلوم دیوبند میں دورہ کا طالب علم تھا اور
حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے مکان
میں میرا قیام تھا اور حضرت مرحوم نئے مکان میں قیام
پذیر تھے۔ اس وقت تحریک خلافت شباب پر تھی
اس سلسلہ میں اکثر جلسے ہوتے رہتے تھے۔ ان جلسوں
میں حضرت مرحوم کی تقریریں میں نے سنی ہیں۔ اس زمانہ
میں میں نے دیکھا ہے کہ بسا اوقات ظہر سے پہلے یا ظہر
کے بعد اپنے ہاتھ سے اپنے خطوط مدرسہ کے لیٹر بکس میں
ڈالنے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ کھدر کا پاجامہ، کھدر
کا براؤن رنگ کا کرتہ زیب بدن اور کھدر کی دو پلی
ٹوپی جیسی اس زمانہ میں تمام طلبائے دارالعلوم پہنا
کرتے تھے، زیب سر ہوتی تھی۔

طلبا میں اس وقت اکثر یہ چرچا رہتا تھا کہ حضرت
کے پاس عنقریب نسائی شریف کا سبق شروع ہوگا

مگر چند ہی دن گزرنے تھے کہ ایک روز بعد عصر مدرسہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس آئی ہے۔ اس خبر کا سننا تھا کہ ایک تہلکہ مچ گیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مکان سے لے کر مفتی صاحب کی مسجد بلکہ مدرسہ تک راستوں اور گلیوں میں طلبا بھر گئے۔ اور اڑ گئے کہ ہم گرفتار نہ ہونے دیں گے، معاملہ نہایت نازک صورت اختیار کر گیا۔ اور اتفاق سے اس وقت سوائے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی دوسرا بڑا شخص دیوبند میں موجود نہ تھا۔ مفتی صاحب مرحوم نہایت خاموش اور سیدھے سادے بزرگ تھے۔ مگر اس دن معلوم ہوا کہ ہمارے بزرگوں میں ہر قسم کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے ایک مکان کی چھت پر چڑھ کر طلبا کو صبر و سکون اور پُرامن رہنے کی تلقین فرمائی۔ مفتی صاحب کی تقریر سے ہنگامہ کچھ فرو ہُوا اور پولیس نے بھی اس وقت واپس چلے جانے میں مصلحت دیکھی۔ طلبار جب واپس چلے گئے تو رات کے سناٹے میں فوج نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کا محاصرہ کیا اور اس وقت پولیس حضرت کو گرفتار کر کے لے گئی گرفتاری کے وقت میں بھی محاصرہ میں تھا مگر ہم لوگ اس وقت بے خبر سو رہے تھے صبح کو یہ واقعہ معلوم ہُوا۔

اسی گرفتاری کے بعد کراچی کا وہ مشہور مقدمہ پیش آیا جس میں حضرت مرحوم کی جرأت حق نے انگریزی ایوان حکومت میں زلزلہ ڈال دیا تھا۔

اس کے بعد مدتوں حضرت کی زیارت سے محرومی رہی پھر جب ۱۹۲۲ء/۱۳۴۶ھ آپ دارالعلوم کی مسند صدارت پر رونق افروز ہوئے تو اس کے بعد سے مرض وفات تک یاد نہیں کتنی بار حضرت کی صحبت میں رہنے اور طویل و قصیر زیارت سے بہرہ ور ہونے اور آپ کی نوازشوں اور شفقتوں سے مالامال ہونے کا موقع ملا۔

زیارتوں کا یہ سلسلہ بہت طویل اور اس کی مدت تیس سال سے زیادہ ہے مگر اس پوری مدت میں باوجودیکہ میرا تعلق بیعت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا اور حضرت مرحوم کو اس کی اطلاع بھی تھی میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ حضرت مرحوم اپنے اخص خواص تلامذہ و مریدین و محبین کی نسبت سے کچھ کم اعتماد و محبت و شفقت اس حقیر پر فرماتے ہیں۔ میں حضرت کی اس بلندی اخلاق سے بہت زیادہ متاثر تھا اور ہوں۔

مجھ کو حضرت مرحوم کی اس خصوصیت نے بھی بے حد متاثر کیا تھا کہ آپ اپنے عقیدت مندوں سے ظاہر دارانہ نہیں بلکہ دل سے محبت فرماتے تھے اور بہت قوی الاحساس تھے۔ اس لئے اگر کسی عقیدت مند کو کوئی معمولی تکلیف یا کوفت کسی وجہ سے پہنچ جاتی تو ہر چند کہ اس میں آپ کے ارادہ و اختیار کو کوئی دخل نہ ہوتا۔ جب بھی اس کو بہت محسوس کرتے تھے اور کلمات معذرت لکھ کر اس کی دلداری ضروری سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ مئو میں مجھے اطلاع ملی کہ حضرت فلاں گاڑی سے بلتھرا روڈ جاتے ہوئے مئو سے گزریں گے، میں اس وقت ملنے کے لئے سٹیشن گیا مگر حضرت اس گاڑی پر تشریف نہیں لائے اور زیارت سے محرومی رہی اس کے بعد ہمارے قصبہ کے نیک نفس طبیب مولوی حکیم سعید اللہ صاحب نے ایک دن مجھ سے کہا کہ میں نے اس سال حج کا ارادہ کر لیا ہے۔ اور میری خواہش ہے کہ مدینہ منورہ میں مدرسۃ العلوم الشرعیہ میں قیام کروں اس لئے حضرت مولانا کا ایک سفارشی خط وہاں کیلئے حاصل ہو جاتا تو بہت بہتر تھا۔ میں نے حکیم صاحب کی خواہش کی بنا پر حضرت کو ایک عریضہ دیوبند کے پتہ پر لکھا۔ حضرت نے سفارشی خط تحریر فرما کر بھیج دیا اور اس کے ساتھ احقر کے نام بھی ایک والا نامہ تحریر فرمایا جس میں سٹیشن سے میری ناکام واپسی پر اظہار افسوس کے ساتھ جلد ہی تشریف آوری کی بشارت کے ذریعہ دلدہی فرمائی تھی۔ اس خط کا متن بعینہٖ یہ ہے۔

محترم المقام زید مجدکم — السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ؛ مزاج مبارک۔

والا نامہ دیوبند سے واپس ہو کر میاںؔ ٹانڈہ میں باعث سرافرازی ہُوا۔ مجھ کو بلتھرا روڈ میں معلوم ہُوا کہ آنجناب گزشتہ جمعرات ۱۲ شوال کو خبر پا کر شام کی گاڑی پر سٹیشن پر تشریف لائے تھے۔ اس سے مجھ کو افسوس ہُوا۔ چونکہ شاہ گنج میں اس دن دہرہ ایکسپریس کے لیٹ ہو جانے کی بنا پر آپ کی چھوٹی لائن والی شہنشاہی گاڑی چھوٹ گئی تھی۔ اس لئے اُس گاڑی میں نہیں آ سکا تھا۔ شب کی گاڑی میں تقریباً بارہ بجے گزرا۔ لیکن بدقسمتی سے ملاقات سے محروم رہا۔ آنے اور جانے کے دونوں وقتوں میں۔ اگر منظورِ الٰہی ہے تو قریبی زمانہ میں شرفِ زیارت حاصل کروں گا۔ حسب ارشاد مدینہ منورہ کو عریضہ لکھ دیا ہے۔ جناب حکیم سعد اللہ صاحب کو دے دیجئے۔ اور ہدایت فرما دیجئے کہ مدینہ منورہ میں موٹر سے اتر کر اسباب مزدوروں کے سر پر رکھوا کر بھائی صاحب کے مکان پر چلے جائیں کتنا ہی مدینہ منورہ کا معلّم یا دوسرے اشخاص روکیں یا دوسری طرف پھیریں تو اس طرف توجہ نہ فرمائیں۔ بھائی صاحب باب النساء پر بالکل حرم نبوی (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کے متصل رہتے ہیں۔ احباب کے لئے کچھ حصص خالی مکانات کے خالی رکھتے ہیں وہاں چلے جائیں بھائی صاحب انشاءاللہ حسب استطاعت امداد و اعانت لازمہ میں کوتاہی نہ فرمائیں گے مکان حرم نبوی کے بالکل ہی قریب ہے۔ صرف سڑک کا فاصلہ ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے والسلام۔

واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیجئے۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ
۱۸ شوال ۱۳۵۶ھ

اس مکتوب گرامی کو پڑھ کر میرے دل پر اس کرم و سمو اخلاق کا بھی بڑا خاصہ اثر ہُوا کہ باوجودیکہ حکیم صاحب سے مولانا کا کوئی تعلق بلکہ جان پہچان بھی نہیں ہے۔ مگر حضرت نے صرف خط لکھ کر

شامل نہیں دیا۔ بلکہ بمقتضائے الدین النصیحۃ ان کی راحت وسہولت کے لئے قیمتی مشوروں سے بھی نوازا۔

یہ باتیں کسی کی نگاہ میں معمولی ہوں مگر جس نے اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور آج اس کی نگاہ اس دنیا میں خود اسلام کے شیدائیوں کے اندر اس کے عملی نمونے دیکھنے کی متمنی ہو اس کے نزدیک یہ باتیں بہت غیر معمولی ہیں۔ اور حضرت کے واقعات زندگی میں اس کی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں، مگر میں تو اس وقت اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں سے ایک آدھ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

میں حضرت کے کمال بے نفسی سے بے حد متاثر تھا علم وعرفان اور صلاح وتقویٰ میں جو اونچے سے اونچا پایہ آپ کا تھا اور شہرت ومقبولیت کا جو بلند ترین مقام آپ کو حاصل تھا وہ ہر کس و ناکس کو معلوم ہے۔ مگر اس کے باوجود کبھی محسوس نہیں ہوا کہ آپ ذرہ برابر بھی کوئی برتری اپنے اندر محسوس کرتے ہوں۔ اپنے چھوٹے سے چھوٹے شاگردوں تک سے بے تکلفی کی گفتگو بلکہ بعض اوقات مزاح بھی فرماتے ہوئے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ کہ اللہ اکبر یہ بے نفسی!

عہد طالب علمی کے رفقاء کے ساتھ آج بھی اسی بے تکلفی کے ساتھ ملتے اور بات چیت کرتے تھے جس طرح طالب علمی میں کرتے ہوں گے حضرت مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب مرحوم کے ساتھ حضرت کے بے تکلفانہ برتاؤ کا منظر جو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ میں بار بار دیکھنے میں آیا ہے۔ آج بھی آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ اس کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ حضرت مرحوم سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے تھے ورنہ آج تو وہ زمانہ ہے کہ جہاں کسی کو ذرا برتری حاصل ہوئی تو وہ اپنے پرانے رفیقوں سے بھی اس رکھ رکھاؤ سے اور اپنے کو اس طرح لئے دیئے ملتا ہے کہ جیسے کبھی باہم بے تکلفی تو کیا شناسائی بھی نہیں تھی بلکہ ہم نے تو ایسے شاگردوں کو بھی دیکھا ہے جو شہرت ومقبولیت کے مقام پر پہنچ کر اپنے غیر مشہور اساتذہ سے تلمذ کی نسبت کے اظہار و اعتراف میں بھی پس وپیش کرتے ہیں۔

حضرت کی اسی بے نفسی کا نتیجہ تھا کہ مصافحہ کے وقت جہاں آپ نے محسوس فرمایا کہ ملنے والا ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہتا ہے تو بڑے جھٹکے کے ساتھ ہاتھ کھینچ لیتے تھے۔

مجلس میں آپ کی تشریف آوری کے وقت لوگ تعظیماً کھڑے ہوجاتے تھے تو سخت کراہت ونفرت کا اظہار فرماتے تھے، بلکہ بعض مواقع میں نہایت سختی سے فرمایا کہ کوئی کھڑا ہوگا تو میں ہرگز نہ آؤں گا ایک دفعہ مدنی منزل سے مسجد جانے کے لئے اٹھے، دروازہ پر پہنچے تو کسی طالب علم نے آگے بڑھ کر ان کواڑوں کو کھول دیا جو دروازہ کے نچلے نصف حصہ میں لگے ہوئے ہیں، حضرت نے بڑی برہمی کے ساتھ فرمایا کہ تم نے اس کو کیوں کھولا۔ کیا میرے ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں؟ بے موقع نہ ہوگا اگر اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی ذکر کردوں کہ ایک دفعہ ملتھرا روڈ سے واپسی میں شاہ گنج جانے والی ٹرین پکڑنے کے لئے حضرت کو مئو کے اسٹیشن پر بعد شام سے اڑھائی بجے رات تک رکنا پڑا، مجھ کو کوئی اطلاع نہ تھی۔ اس لئے حضرت نے آدمی بھیج کر اطلاع کرائی۔ میں چلنے لگا تو خیال ہوا کہ کچھ ناشتہ اور چائے کا سامان اور چولہا بھی لے جانا چاہیئے۔ اس لئے اپنے لڑکے رشید احمد اور دو طالب علموں کو بھی ساتھ لے لیا۔ اسٹیشن پہنچ کر سلام ومصافحہ کے بعد حضرت کے سامنے میں نے یہ کہتے ہوئے رشید احمد کو پیش کیا کہ یہ خادم زادہ ہے حضرت نے اس کو بھی مصافحہ کا شرف بخشا پھر اس کی تعلیم کے بارے میں کچھ سوالات کئے تھوڑی دیر میں حضرت کے صاحبزادہ میاں اسعد سلمہ اللہ باہر سے ویٹنگ روم میں داخل ہوئے تو حضرت نے میری طرف اشارہ کرکے ان کو مصافحہ کرنے کیلئے کہا جب وہ میری طرف بڑھے تو حضرت نے فرمایا یہ بھی خادم زادہ ہے۔ ان الفاظ کا جو اثر میرے قلب پر ہوا میں اس کو آج تک نہیں بھولا ہوں یہ واقعہ جب بھی یاد آتا ہے تو حضرت سعدیؒ کا یہ شعر بھی ضرور یاد آتا ہے۔ ؎

بزرگان نہ کردند بہ خود نگاہ
خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ

اسی قبیل سے حضرت والا کا اس ظلوم و جہول کو بعض خطوط میں ایسے الفاظ سے یاد کرنا ہے جن کو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ مولانا کا تصلب فی الدین، اتباع سنت، اور آپ کی استقامۃ علی الشریعۃ بھی اس عہد میں بے مثال تھی۔ ایک بار ہمارے قصبہ کی ایک مسجد میں حضرت نے امامت فرمائی، محراب میں نقش ونگار بنے ہوئے تھے، نقش ونگار ایسے تھے کہ چار پھولوں کے ملنے سے یہ شکل + پیدا ہوتی تھی حضرت نے اس پر بہت نکیر فرمائی اور امام مسجد سے کہا کہ یہ صلیب ہے اس کو جلد سے جلد نیست و نابود کرائیے۔

جمعیۃ علمائے ہند کے سالانہ اجلاس سورت میں نئے تعلیم یافتہ چند نوجوانوں نے سٹیج کا جس پر حضرت اور دوسرے علماء تشریف فرما تھے، م فوٹو لینے کی کوشش کی تو حضرت نے نہایت گرجدار آواز میں ان کو ڈانٹا اور فوٹو نہیں لینے دیا۔

ایک بار اعظم گڑھ میں سدھاری پر ایک دینی جلسہ تھا۔ اس کی صدارت کے لئے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نامزد تھے۔ مگر وہ سفر میں چلے گئے تھے اور جلسہ کے دن تک واپس تشریف نہیں لائے تھے۔ اس لئے منتظمین نے جلسہ شروع ہونے سے پہلے اس ناکارۂ خلائق کو زبردستی صدر بنا دیا۔ جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت اقدس رحمۃ اللہ اور مولانا محمد طیب مدظلہ تشریف لا چکے تھے، پہلے اجلاس میں حضرت کی تقریر سے قبل اقبال سہیل مرحوم

نے اپنی یہ فارسی نظم جس کی ایک نقل خود سہیل مرحوم کی عطا کی ہوئی میرے پاس محفوظ ہے، پڑھ کر سنائی ؎

زعیم ہمتن آمد، مشیر مؤمن آمد
امام اہلِ فن آمد، نظام اہل دین آمد

بصدقِ او وطن تا زد بہ نطق او سخن نازد
حدیثش جانفزا آمد بیانش دلنشیں آمد

دریں آشوب زار ہند و آتش اہل ملت را
تا رب را کفیل آمد معارف را امیں آمد

جنابِ طیب آں سرورِ داں گلشن قاسم
جمال رشد و تقوی یادگار صالحین آمد

مبارک تشنگانِ جرعۂ علم و معارف را
بیانش در غذوبت جوئے شیر و انگبیں آمد

وزاں پس آں حبیب ما و ہم با خطیب ما
کہ دانش در ہمنوا عناف را حصن حصیں آمد

زفیضِ مقدم ایشاں حق آگاہاں حق اندیشاں
سعادت را کلہ گوشہ بہ چرخ چارمیں آمد

سخن کوتہ کن اے اقبال اینکہ گرچہ میدانم
کہ لطفش اہل معنی را شہاب الصالحین آمد

اور اس کے بعد میں نے ان کلمات تعظیم کے ساتھ جن سے زیادہ کے حضرت مستحق تھے آپ کی تقریر کا اعلان کیا۔ اقبال صاحب کی مدحیہ نظم اور میرے کلمات تعظیم سن کر خاموش رہ جانا مولانا کب گوارا کر سکتے تھے۔ کرسی پر بیٹھنے کے ساتھ خطبۂ مسنونہ کے بعد سب سے پہلے منہ پر تعریف کرنے کی خوب خوب مذمت بیان کی اور اس باب میں جو حدیث وارد ہوئی ہے اس کو پڑھ کر سنایا اور اسکی تشریح فرمائی۔ تحریک ترک موالات کے زمانہ میں ولایتی مال کے استعمال کو حضرت تدیناً ناجائز سمجھتے تھے، اس زمانہ میں بارہا میں نے دیکھا ہے کہ جب امامت کے لئے آگے بڑھتے ہیں تو محراب میں بچھے ہوئے مخملی مصلّے کو دیکھ کر سخت برافروختہ ہوتے ہیں اور اس کو اٹھا کر پھینک دیا ہے اور یہ تو ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ ڈاڑھی منڈانے پر کتنی سختی سے انکار کرتے تھے۔

حضرت مرحوم کو دینی غیرت و اسلامی حمیت اور دینی تعلیم کی اہمیت کا شدید ترین احساس بھی ہمارے لئے سرمایۂ عبرت تھا۔ مجھ کو یاد ہے کہ ہمارے قصبہ کے ایک ممتاز عالم نے جب اپنے ایک لڑکے کو حضرت کے سامنے پیش کرتے ہوئے امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کی درخواست کی تو حضرت نے یہ پوچھا کیا پڑھتا ہے؟ انہوں نے کہا انگریزی! حضرت یہ سن کر سخت برافروختہ ہوئے اور بڑی بے رخی سے فرمایا کہ اپنے لئے جنت کا رستہ تجویز کیا ہے اور لڑکے کیلئے جہنم کا۔

میری نظر میں یہ بحیر شدید نفس انگریزی تعلیم پر نہیں تھی۔ بلکہ اس کے مضر آثار و نتائج کے پیش نظر خصوصیت کے ساتھ طبقۂ علماء کو متنبہ کرنا تھا کہ وہ کیوں دینی تعلیم پر انگریزی تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں؟ حضرت قدس کو دینی تعلیم کے ساتھ ایسا شغف تھا اور دینی مدارس کے قیام اور ان کی بقاء و استحکام کا ایسا بے پناہ جذبہ اپنے اندر رکھتے تھے کہ دور دراز مقامات کے دینی مدارس کی دعوتیں بھی نہایت خندہ پیشانی سے قبول کرتے تھے اور ریل کے لمبے سفر کے بعد بیس بیس، تیس تیس میل کے کچے راستے لاری یا موٹر کے ذریعہ طے کر کے ان کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے اور کارکنان مدرسہ کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ اس کے ماسوا ان کیلئے چندہ کی اپیلیں شائع کراتے تھے اور اہل خیر حضرات کے نام سفارشی خطوط بھی لکھ دیتے تھے۔

کسی مقام میں اگر اپنی جماعت کے دو مدرسے ہوتے اور ان میں باہم چشمک ہوتی تو دونوں کے ارکین کو بلانے اور ان میں صفائی کرانے کے لئے مضطرب رہتے تھے۔ کون نہیں جانتا کہ امروہہ میں دو مدرسے قائم اور دونوں میں سخت اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی تو حضرت نے دونوں کو ایک کر دیا۔ اس واقعہ کا مختصر تذکرہ مکتوبات شیخ الاسلام صد ۲۷ کے حاشیہ میں بھی ہے۔

خود ہمارے قصبہ میں اپنی جماعت کے دو مدرسے تھے اور اب بھی ہیں، کسی تیسرے شخص نے حضرت کے گوش گذار کیا کہ دونوں مدرسوں کے ارکین میں کچھ اختلاف رہتا ہے، مصالحت کی کوئی صورت ہو جائے تو بہتر ہے، حضرت کو اس کی فکر دامن گیر ہو گئی ۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ کو حضرت نے اپنے ایک والا نامہ میں اس حقیر کو تحریر فرمایا۔ ممکن ہے کہ اس مہینہ کی آخری تاریخوں میں بہار کا سفر واقع ہو، بوقت واپسی انشاء اللہ مئو آنے کا ارادہ کروں گا۔ اس کے بعد ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ کو دوسرے والا نامہ میں یہ تحریر فرمایا کہ۔ اگر خدا کو منظور ہے تو بروز دوشنبہ ۹ جولائی کو شبلی منزل اعظم گڑھ پہنچوں گا اور وہاں ایک ٹرین قیام کر کے مئو حاضر ہوں گا۔ تمام دن منگل وہاں قیام کروں گا، دار العلوم میں ٹھہروں گا۔ میں صرف آپ حضرات کی قدم بوسی کے لئے حاضر نہیں ہو رہا ہوں بلکہ امیدوار ہوں کہ آپس کے اتحاد میں آپ حضرات میری امداد و اعانت فرما کر مجھ کو ہمیشہ کے لئے شکر گذار بنائیں گے جناب والد صاحب اور دیگر اراکین و مدرسین کرام کی خدمت میں بعد از سلام مسنون میری اس عرض کو پہنچا دیں۔ " والسلام "

اس اطلاع کے مطابق ۹ جولائی کو حضرت اعظم گڑھ اور ۱۰ کو مولانا مسعود علی ندوی کی معیت میں مئو تشریف لائے اور مصالحت کرانے کے لئے کوئی امکانی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لیکن افسوس کہ مصالحت نہ ہو سکی۔ تفصیلات کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مولانا مسعود علی صاحب ماشاء اللہ بقید حیات ہیں اور ان کو تفصیلات کا پورا علم ہے اس سلسلہ میں یہ بات غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے کہ اس سفر کے تمام مصارف خود حضرت نے برداشت کئے اور مئو کے عقیدت مندوں نے ادا کرنے چاہے تو قبول نہیں فرمائے۔

اسی طرح پورۂ معروف میں تشریف آوری کے موقع پر وہاں کے دو مدرسوں کے باہمی اختلاف

کو بھی رفع فرمانے کی پوری جدوجہد فرمائی۔

کیا اچھا ہوتا کہ ہم نرے اظہار عقیدت کے بجائے آپ کی زندگی کے جو محبوب مشاغل تھے ان میں اپنے کو مشغول کرتے اور آپ کی خواہشوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر سچی عقیدت و اخلاص مندی کا ثبوت بہم پہنچاتے۔

حضرت اقدس کو درس حدیث سے جو عشق و شغف تھا وہ بھی عقیدت مندوں کے لئے درس عبرت ہے۔ دن کے مختلف اوقات میں اور رات کے بارہ بجے تک اس جانفشانی کے ساتھ حدیث کا جو درس دیتے تھے وہ محض اپنے منصب کے وظیفہ کی انجام دہی نہیں تھی، بلکہ آپ اس کو روحانی ترقی سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدسہ سے حصول فیض اور وصل و قرب کا بہت بڑا ذریعہ اور سلوک کے طریقوں میں سے ایک عظیم الشان طریقہ سمجھتے تھے۔ مجھ کو اس پر اس وقت تنبیہ ہوا جب تدریس کے مشغلہ سے علیحدگی اختیار کر گئے۔ کچھ کم کئی برس ہو گئے اور کسی صاحب نے اپنے مدرسہ میں مجھ کو بلانے کے لئے حضرت کو واسطہ بنایا تو حضرت نے تنہائی میں مجھ کو بلا کر دیر تک سمجھایا جب میں نے اپنے اعذار پیش کئے تو آخر میں حضرت نے فرمایا کہ بہرحال درس حدیث کا مشغلہ کچھ نہ کچھ ضرور رکھو۔ یہ حصول فیوض باطنیہ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے بعد یہ واقعہ سنایا کہ مدینہ منورہ میں ایک مولانا محمد اسحاق صاحب مہاجر تھے وہ مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے ان کو درس حدیث سے ایسا عشق تھا کہ عمر کے آخری حصہ میں جب وہ بالکل معذور ہو گئے تھے جب بھی انہوں نے اس سلسلہ کو بند کرنا گوارا نہیں کیا۔ حالت یہ تھی کہ چلنے کی قوت بالکل نہ تھی مگر فرماتے تھے کہ دو آدمی مجھ کو اٹھا کر مسجد میں پہنچا دیں، دو آدمی ان کو اٹھا کر مسجد نبوی میں لے جا کر بٹھا دیتے تھے اور وہ درس حدیث دیا کرتے تھے۔ غالباً حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جس دن ان کی وفات ہوئی ہے اس دن بھی انہوں نے ناغہ نہیں کیا۔

یہ واقعہ سننے کے بعد معاً میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ درس حدیث کے سلسلہ میں حضرت اقدس کا حال بھی اسی کے مشابہ ہے اور درس کی حالت میں فیضان انوار و حصول کیفیات ہی کی بنا پر نہ جی اکتاتا ہے نہ تکان محسوس ہوتی ہے۔ نیز اسی کے ساتھ میرزا مظہر جانجاناں قدس سرہٗ کی اس لطیف و نفیس بات کی طرف بھی ذہن منتقل ہوا جو آپ نے حضرت حاجی محمد افضل قدس سرہٗ سے اپنے استفادہ کے باب میں ارشاد فرمائی ہے۔ جس کو مدت ہوئی میں نے مقامات مظہری میں پڑھا تھا حضرت میرزا کے ارشاد سے حضرت کے بیان کی حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے۔ سنیئے حضرت میرزا صاحب فرماتے ہیں۔

اگرچہ ازاں حضرت (حاجی محمد افضل) درظاہر استفادہ نہ کردہ شد لیکن در ضمن سبق حدیث فیوض از باطن شریف ایشاں فائض می شد، و درعرض نسبت قوت بہم می رسید۔

ایشاں را در ذکر حدیث در نسبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم استغراقے دست میداد و انوار و برکات لیسار ظاہر می شد گویا در معنی صحبت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم حاصل می شد و درین اثنا توجہ و التفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مشہود می گشت و نسبت کمالات نبوت در غایت وسعت و کثرت انوار جلوہ گری می گردید

(مقامات مظہری)

میری ظاہر بین نگاہ حضرت مرحوم کے اسی طرح کمالات کا مشاہدہ کر سکتی تھی جن میں سے بعض کا ذکر کر کے میں ان کی بارگاہ میں نذر عقیدت پیش کی ہے لیکن اس نذر عقیدت کے پیش کرنے میں میں نے صرف اظہار حقیقت سے کام لیا ہے حضرت کے باطنی مراتب کا سمجھنا اہل باطن کا کام ہے میں اس کوچہ سے نابلد ہوں مجھے اس کا ادراک کیوں کر نصیب ہو سکتا ہے" اتنا ضرور ہے

احب الصالحین ولست منہم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

خدا توفیق دے کہ ہم میں اس کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

حرفِ آخر اور تاریخ وفات

اب صرف ایک بات عرض کر کے اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ آج فجر کی نماز کے بعد تلاوت کر رہا تھا جب فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت فھم فی روضۃ یحبرون پر پہنچا تو یک بیک دل میں آیا کہ شاید فی روضۃ یحبرون سے سال وفات کے اعداد برآمد ہوں، اس خیال کے آتے ہی رکا اور یک کر حروف کے اعداد پر غور کیا تو ٹھیک ۱۳۹۷ھ برآمد ہو گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ

محمد شفیع عمرالدین میرپور خاص سندھ

سب حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم فضیلت اور روایت میں برابر ہیں۔ پس ان سب حضرات کو "بزرگ" جاننا چاہیئے۔ اور نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہیئے۔ کیونکہ سب حضرات "عدول" (یعنی صالح، متقی، سچے اور عادل) ہیں۔ اور "روایت و تبلیغ احکام" میں سب برابر ہیں۔ ایک کی روایت کو (قبول کرنے میں) دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں (سب کی روائتیں قابلِ قبول ہیں) یہ ہی حضرات حاملانِ قرآن" (قرآن کریم کے اٹھانے والے، سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے) ہیں۔ اور ان حضرات کے عادل ہونے کے بھروسے پر متفرق آئیتوں میں سے ہر ایک صحابیؓ سے کم و بیش ایک یا دو آئتیں اخذ کر کے قرآن مجید کو جمع کیا گیا ہے اگر کوئی شخص ان حضرات میں سے کسی صحابیؓ کے عدول ہونے پر جرح کرے، تو وہ جرح قرآن شریف تک پہنچتی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس (حضرت صحابیؓ پر جرح کی جا رہی ہو) وہی بعض آیات کے حامل ہوں۔ اور ان بزرگ حضرات کے درمیان جو مخالفات و منازعات" گزرے ہیں۔ انہیں نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیئے۔ (ان پر لب کشائی نہ کرنی چاہیئے)

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ جو حضرات صحابہ کرامؓ کے حال کو بہت زیادہ جانتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالےٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک کیا ہے۔ ہمیں اپنی زبانوں کو بھی ان حضرات سے پاک رکھنا چاہیئے۔ (یعنی جیسے ہمیں حضرات صحابہ کرامؓ پر ہاتھ اٹھانے کی ممانعت تھی، ویسے ہی ہمیں اپنی زبانوں کو بھی ان حضرات کے متعلق کوئی نامعقول کلمہ کہنے سے روکنا چاہیئے۔ اور اسی طرح کا مقولہ حضرت جعفر صادق رحمتہ اللہ سے بھی منقول ہے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

(از مکتوب ۲۱ - دفتر اول)

بقیہ: آفتاب نبوتؐ

کے حق فیصلہ سے مطمئن ہو کر جانے لگے۔ اونٹوں نے قدم مبارک پر سر رکھ دیا اور رو رو کر مالک کے ظلم و ستم کی فریاد کی اور مراد پا گئے۔ بھیڑیوں نے صداقت نبویؐ کی شہادت دینی شروع کر دی۔ قربانی کے لیے جانور خود اپنے کو پیش کرنے لگے۔ جب کہ آپ نے حجتہ الوداع کے موقع پر سو اونٹ قربان کئے تو ہر ایک اونٹ ذبح ہونے کے لیے خود آگے بڑھتا تھا اور گردن جھکا کر دست مبارک سے ذبح ہونے کے لیے پیش قدمی کرتا تھا۔ ع

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

چلتا پانی تسبیح کرنے لگا۔ سفید کپڑا تسبیح کرنے لگا۔ ہری ٹہنیاں تسبیح خداوندی میں مصروف ہو گئیں۔ چرند پرند اپنی اپنی بولیوں میں تسبیح کرنے لگے۔ جنات کے وفود مواعظ نبویؐ کی فرمائش لے کر آنے لگے اور متاثر ہو کر کلمہ پڑھنے لگے۔ بادلوں پر نگاہ پڑی تو وہ سایہ گستری کی خدمت انجام دینے لگے اور سر مبارک پر دھوپ کے وقت سایہ دار چھتری بن گئے۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
عَلَیکَ مِنَ اللّٰہِ سَلَامٌ وَ تَحِیَّۃٌ
وَ اُدْخِلتَ جَنَّاتٍ مِنَ العُیُونِ نَاقِیاً

بقیہ: حضرت میمونہ رضؓ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت میمونہ رضؓ کے جنازہ کی نماز پڑھائی [۱] اور یزید بن اصم اور عبدالرحمٰن بن بن خالد بن ولید اور حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے قبر میں اتارا [۲] اور سرف نامی گاؤں میں دفن کی گئیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا وَ مَولَانَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْکِرَامِ وَ اَزْوَاجِہِ الْمُطَہَّرَاتِ

۱؎ طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۰۰، ۲؎ طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۰۰

اکابرین جمعیۃ پر اعتماد کا اعلان

مولانا حامد علی رحمانی

مکرم مولانا حامد علی رحمانی پرانے قومی ورکر ہیں۔ مولانا ہزاروی کو جب جمعیۃ سے علیحدہ کر دیا گیا تو وہ مولانا کی ذات کے ارد گرد گھومنے والی جماعت ہزاروی گروپ میں شامل ہو گئے۔
اب مولانا حامد علی نے تجربات کے بعد علیحدگی اختیار کر کے اہل حق کے قافلہ میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ ان کا ایک گرامی نامہ مولانا ضیاء القاسمی صاحب کے نام ان کے اپنے دستخطوں سے ہمیں برائے اشاعت موصول ہوا ہے جو ہم نذر قارئین کر رہے ہیں۔
اس کے پڑھنے سے یقیناً بہتوں کا بھلا ہوگا۔ (مدیر)

برادر عزیز جناب قاسمی صاحب جنرل سیکرٹری جمعیۃ علماء اسلام ہزاروی گروپ کل پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خیریت طرفین منجانب اللہ نیک مطلوب ہوں۔ احوال اینکہ عرصہ کے سوچ بچار کے بعد عریضہ ہذا آپ کی خدمت میں ارسال کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

عزیزم! آپ سے میرے دیرینہ تعلقات اور مولانا ہزاروی کی فعال و متحرک شخصیت نے مجھے ہزاروی گروپ میں شامل ہونے پر مجبور کیا اور آپ نے فی الفور مجھے سیکرٹری اطلاعات و نشریات پنجاب کے عہدہ تک پہنچا دیا۔ اس سلسلہ میں بندہ آج ضروری کوائف آپ کے گوش گزار کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔ جو قلمبند کر رہا ہوں۔

اولاً یہ بات میرے لیے تشویش کا باعث رہی کہ جماعت نے آج تک کوئی تعمیری کام انجام نہیں دیا۔ محض اختلاف برائے اختلاف رہا۔

ثانیاً جماعت کی پالیسی کا محور مولانا کی ذات اور ان کے بیانات رہے اور تمام مخلص کارکنوں نے مولانا کے بیان ہی کو جماعت کی جان اور سب کچھ قرار دیا۔ جس کے نتیجے میں کوئی تعمیری کام معرض وجود میں نہیں آیا۔ اور میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اب مولانا ہزاروی عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکے ہیں جس میں تمام قوتیں مضمحل اور صلاحیتیں گھٹنا شروع ہو جاتی ہیں اور دماغ بے قابو ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا ہزاروی بھٹو نوازی میں اکابر کے خلاف ناشائستہ اور سوقیانہ زبان استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اور بھٹو کی ہر جائز و ناجائز تائید پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

ثالثاً اب جبکہ ملک نئے دور میں داخل ہو رہا ہے۔ اس میں بھی جماعت نے تقریباً ۳۵ نشستوں پر جو قومی و صوبائی پر مشتمل ہیں انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا ہے جو سراسر اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ طرفہ یہ کہ جماعتی منشور بھی شائع کر دیا گیا ہے جو قوم کے ساتھ بے تکا کھیل ہے کہ ہر ذی شعور آدمی جماعت کے انتخابی منشور کو دیکھنے کے بعد مذاق اڑائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ فرض محال جماعت ان نشستوں کامیاب ہو بھی جاتی ہے تو منشور کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتی۔ اس لیے کہ اسمبلی میں اکثریتی پارٹی کے منشور کے علاوہ کسی کا منشور قابل عمل نہیں بن سکتا۔

اس پر آپ کی خاموشی اور مولانا کے نت نئے اکابر کے خلاف اشتعال انگیز بیانات سے مجبور ہو کر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جمعیۃ ہزاروی گروپ کی بنیادی رکنیت

باقی ۳۲ پر

جانے والوں پر خدا کی رحمت

جمعیۃ علماء اسلام شہر راولپنڈی و اسلام آباد کا یہ نمائندہ اجتماع جناب منشی نور [illegible] صادق صاحب ناظم عمومی راولپنڈی و اسلام آباد کی اچانک وفات حسرت آیات پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ محترم منشی صاحب مرحوم نے [illegible] میں اپنی سیاسی زندگی کا آغاز مجلس احرار اسلام کے سٹیج سے کیا اور ہمیشہ شہری یا صوبائی عہدوں پر فائز رہے۔ تقسیم ملک کے بعد جب مجلس احرار کو سیاسی طور پر ختم کر کے صرف تبلیغ اور تحفظ ختم نبوت کے نام پر کام کرنے کی ہدایت کی گئی تو منشی صاحب برابر جماعت کے ناظم اعلیٰ رہے۔ یاد رہے کسی جماعت کا چلانا ناظم کی سوجھ بوجھ پر منحصر ہوتا ہے اور اس میں منشی صاحب کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ ۱۹۶۶ء میں احباب کی پرزور درخواست پر جمعیۃ علماء اسلام میں باضابطہ داخل ہوئے اور تازیست جماعت کی خدمت کرتے رہے۔ وفات سے چند روز پہلے ایک سکوٹر کی ٹکر سے دوپہر کو سڑک پر گرے سنبھل کر گھر پہنچے۔ شام کے وقت منجمد خون کی قے ہوئی۔ اگلی صبح پھر قے ہوئی۔ سنٹرل ہسپتال، پھر عزیز نرسنگ ہوم، آخر سی۔ ایم۔ ایچ راولپنڈی میں یکے بعد دیگرے ماہرین کے زیر علاج رہے۔ ایک ہفتہ میں کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ آخر ۶ مارچ بروز اتوار ساڑھے ۵ بجے شام جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ ۷ مارچ تین بجے قاضی ضیاء الحسن صاحب خطیب موتی مسجد نے مرحوم کی زندگی کے حالات مختصر بیان فرما کر خراج تحسین پیش کیا۔ اور نماز جنازہ پڑھائی۔ باوجود الیکشن کی دھاندلی کے جنازہ میں ہر مکتب فکر کے مذہبی و سیاسی اور شہری حضرات کثیر تعداد میں شامل ہوئے۔ عصر کے قریب جدید قبرستان میں ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گئے۔ حکیم عبدالسلام صاحب مرحوم کے بعد خصوصاً جماعتی احباب کے لیے یہ دوسرا روح فرسا صدمہ تھا۔

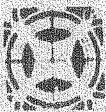
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی خاص مہربانی سے مرحوم کی لغزشیں معاف فرماتے ہوئے اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ ان کے بچوں اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

ہم ارکان جمعیۃ علماء اسلام مرحوم کی اولاد کے ساتھ غم میں برابر کے شریک ہیں۔

نیز یہ اجلاس محترم حضرت مولانا حافظ [illegible] اشرفی کی والدہ محترمہ کی وفات پر زبردست رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحومہ نہایت پاکباز، دیندار اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ حافظ صاحب اور ان کے احباب اور ترقی اسلام کے لیے شب و روز دعائیں کرتی رہتی تھیں۔ ان کا وجود سب کے لیے عموماً اور حافظ صاحب کے لیے خصوصاً رحمت خداوندی تھا۔ ایسی مائیں بہت کم خوش نصیبوں کی ہوتی ہیں۔ ۲ بج کر ۴۰ منٹ پر جو عموماً ان کے تہجد کا وقت ہوتا تھا آنکھیں کھولیں۔ دونوں ہاتھ جیسے تکبیر تحریمہ کہنا چاہتی ہیں کانوں تک لے گئیں۔ ابھی پورے ہاتھ نہیں باندھے ۴۲ منٹ پر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ حافظ صاحب کے والد مرحوم منی مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ حافظ صاحب کے غم میں ہم برابر کے شریک ہیں۔ والسلام

ناظم نشر و اشاعت۔ [illegible] رمضان علوی۔



تعارف وتبصرہ

تین مفید دینی رسائل

حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبند قدس سرہٗ مادرزاد ولی، پختہ کار عالم، عظیم مدرس اور صاحب طرز ادیب و مصنف تھے۔ آپ کے قلم سے متعدد چھوٹے بڑے رسائل اور کتابیں نکلیں جن سے خلق خدا نے بے پناہ فائدہ اٹھایا۔ یہ قیمتی لٹریچر عرصہ سے نایاب تھا ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور کے جواں سال، جواں ہمت مالکان نے دوسرے اہل حق و صداقت کی طرح میاں صاحب کے نگارشات کو شائع کرنے کا عزم کیا ہے۔ زیر تبصرہ تین رسائل اسی کی کڑی ہیں۔

ان میں سے پہلے رسالہ کا نام "دست غیب" ہے۔ جو ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس رسالہ میں کسب حلال کی فضیلت اور حرص مال کی مذمت بیان کی گئی ہے اور ان اہم موضوعات پر قرآن و سنت کی روشنی میں سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ کسب حلال نیکی و تقویٰ کی اہم ترین بنیاد ہے جس کے بغیر نیکی و تقویٰ کا تصور ہی محال ہے لیکن آج کے دور میں اس سلسلہ میں انتہائی بے احتیاطی برتی جاتی ہے اور مال کی حرص نے تو اتنی تباہی مچائی ہے کہ پناہ بخدا! ان امراض کی اصلاح کے لئے یہ رسالہ بہترین تریاق ہے۔

دوسرا رسالہ جو ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے اس کا نام ہے "ناقابل اعتبار روایات"۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس نے میری طرف غلط بات کی نسبت کی اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لینا چاہیے۔ اس شدید وعید کے باوجود کم فہمی، لاعلمی اور جہالت کے پیش نظر متعدد حکیمانہ مقولے اور جملے حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیے گئے جس کی اصلاح ازبس ضروری ہے۔ اور اس سلسلہ میں یہ رسالہ انتہائی قیمتی ہے۔

تیسرے رسالے کا نام ہے "علم الاولین"۔ یہ رسالہ اصل میں ایک عربی رسالے کا حسین انتخاب ہے جس کا نام "احسن الوسائل" ہے۔ اس کے مصنف حضرت مولانا حافظ محمد عبد الاوّل جونپوری مرحوم تھے۔ سوال و جواب کے انداز میں متعدد و لاتعداد چیزیں ذکر کی گئی ہیں جنہیں اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔ اس اعتبار سے یہ رسالہ انتہائی قیمتی ہے۔

ان تینوں رسائل کو اکٹھا شائع کیا گیا ہے ٹائیٹل سادہ لیکن خوبصورت اور جاذب نظر ہے لکھائی چھپائی معقول قیمت . . . . .

خاتم النبیینﷺ

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات . . . پر ایک اچھوتا رسالہ جو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کے معجزانہ قلم کا شاہکار ہے اس ۸۸ صفحات کے رسالہ میں قاری صاحب نے سابق انبیاء علیہم السلام کے مخصوص کمالات کا ذات محمدیؐ میں جمع ہونے پر اتنی دلنشیں اور دلچسپ بحث کی ہے کہ کتاب چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا اور بار بار پڑھ کر نیا لطف اور کیف محسوس ہوتا ہے۔ قاری صاحب کے اس پُربہار اور اثر آفرین رسالہ کو پڑھنے کے بعد دل میں ذات اقدس و اطہر علیہ السلام کی محبت میں اضافہ محسوس ہوتا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ جدید دنیا بالخصوص اس رسالہ کو پڑھے۔ قیمت محض ۳ روپے ہے۔ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۰ انارکلی سے دستیاب ہے۔

آدابُ الدُّعاء

مولانا محمد حنیف یزدانی کی بعض کتابوں پر پہلے بھی تبصرہ ہو چکا

فون نمبر
٦٧٥٢٥

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر
٦٠٧٢

منظور شدہ ۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹ ۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری B.T.-۲۳۰-۲۲۸۱ مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء
محکمہ تعلیم ۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹۶/۹/۲۰۶۷۶-۹ DDA مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۶۳ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ مکتوب نمبر ۲/۸/۹/۳۰-۳۱۰۰۵۳۱ مورخہ ۷ مارچ ۱۹۶۷ء

ہے۔ دعا مومن کا قیمتی اور انتہائی اہم ہتھیار ہے۔ حضور علیہ السلام نے اسے عبادت کا مغز قرار دیا۔ لیکن بدقسمتی سے عام مسلمان دعا کی برکت، اس کے کلمات، دعا کے آداب، قبولیت دعا کے مقامات وغیرہ سے ناواقف ہیں۔ مولانا موصوف نے بڑے شستہ اور سلجھے ہوئے انداز میں ایک ایک مسئلہ پر گفتگو کی اور قرآن و سنت کی روشنی میں ایک ایک پہلو کو اجاگر کیا ہے۔

یہ کتاب جو درمیانے سائز کے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور بڑی خوبصورت کتابت و طباعت اور ٹائٹل سے مزین ہے۔ ہمیں بعض مباحث سے البتہ ہمیں دیانت داری سے علمی نوعیت کا اختلاف ہے مثلاً سماع موتی اور جس کو بعض اعمال کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ تاہم مجموعی حیثیت سے کتاب انتہائی قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے دس روپے میں مکتبہ مدنیہ قینچی امرسدھو فیروز پور روڈ لاہور سے دستیاب ہے۔ (قریشی)

بقیہ: مولانا حامد علی رحمانی

اور سیکرٹری اطلاعات و نشریات کے عہدہ سے الگ ہو جاؤں اور حضرت درخواستی اور مولانا مفتی محمود اور دیگر اکابرین کی رہنمائی میں ملک و ملت کی خدمت کا فریضہ بجا لاؤں۔ جبکہ حالات و واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مفتی محمود صاحب کا موقف درست تھا اور ہے لہٰذا مندرجہ بالا سطور کی روشنی میں اعلان کرتا ہوں کہ آج کے بعد جمعیۃ علماء اسلام ہزاروی گروپ سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا۔

اور اس کے ساتھ ہی آپ کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ خود کو شخصی حدود و قیود سے آزاد کر کے ملک و قوم اور اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیں تاکہ جہاں آپ کے وقار کو چار چاند لگیں وہاں محض اسلام کی خدمت کے لیے بقیہ ایام زندگی گزار سکیں۔

آخر میں عرض ہے کہ بندہ نے قومی اتحاد کے منشور اور پیپلز پارٹی کے منشور کا موازنہ کیا تو قومی اتحاد کے منشور کو اسلام کے قریب تر پایا اس لیے قومی اتحاد میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ اب میری تمام تر کوششیں قومی اتحاد کے لیے ہوں گی۔ والسلام

مولانا عبید اللہ انور پبلشر نے پرنٹر خواجہ شوکت علی پریس ۔۔۔ میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔